حضرت مسیح موعودؑ کے اصحاب کی سوانح حیات و سیرۃ کا سلسلہ

(نمبر اوّل)

نام نیک رفتگان ضایع مکن * تا بماند نام نیکت برقرار

حیاتِ ناصرؓ

یعنی

حضرت میر ناصر نواب صاحب و حضرت خواجہ میر درد

رضی اللہ عنہما کے سوانح حیات و سیرۃ

جسکو

حضرت والد صاحب قبلہ شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر اخبار الحکم وتادیب النساء نے مرتب کیا

اور

ابوالخیر محمود احمد (مجاہد مصری) ناظم انوار احمدیہ بک ڈپو نے انقلاب سٹیم پریس لاہور

میں چھپوا کر تراب منزل دارالامان قادیان سے شائع کیا۔

دسمبر ۱۹۲۷ء

بار اوّل — تعداد جلد ۵۰۰ — قیمت فی جلد علاوہ محصول ۱۰؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۱۰

عرض حال

نام نیک رفتگان ضائع مکن ، تا بماند نام نیکت برقرار ،

میرا ایک عرصہ سے ارادہ تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص و وفادار صحابہ کی سیرتوں اور سوانح کا ایک سلسلہ شائع کروں۔ لیکن مختلف اسباب اور حالات نے مجھے موقعہ نہ دیا۔ تاہم جہانتک مجھ سے ہو سکا میں وقتاً فوقتاً ان بزرگوں کی سیرۃ کا مختصر ذکر اخبارات میں کرتا رہا۔ جو خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہم سے جدا ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ مگر میرا مقصد صرف فوت شدہ اصحاب کے حالات قلمبند کرنا ہی۔ ۔ نہ تھا۔ بلکہ جس قدر حالات زندہ اور فوت شدہ اصحاب کے میں جمع کر سکتا انکو شائع کرنا چاہتا تھا۔ اور چاہتا ہوں۔ اب جبکہ انوار احمدیہ بک ڈپو کا انتظام میں نے عزیز مکرم شیخ محمود احمد صاحب کے سپرد کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جسقدر ممکن ہو۔ اس سلسلہ میں اپنے قلم اور مواد موجودہ سے کام لوں۔ اس سلسلہ میں **حیات ناصر** میری پہلی کوشش ہے۔ اس قسم کے علمی یا قومی سلسلے جاری نہیں رہ سکتے۔ جب تک احباب مدد نہ کریں۔ اس میں علمی اور مادی مدد کی ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے حالات اور واقعات مہیا کر کے مجھے دیا جاوے۔ انکے فوٹوگراف اگر میسر آسکیں۔ تو وہ بھی اور اس سلسلہ میں شائع ہونیوالی کتابوں کی کثرت سے اشاعت ہو۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب رض کی زندگی ہمارے لئے سلسلہ کی خدمت کیلئے قربانی، جفاکشی اور ہر قسم کی محنت و صعوبت برداشت کرنے کیلئے تحریک کرتی ہے۔ حق گوئی کیلئے جرأت کا سبق دیتی ہے۔ میں اسے کسی صورت میں مکمل نہیں کر سکتا۔ تاہم مکمل کے انتظار میں نامکمل کا شائع نہ کرنا بھی غلطی ہوتی۔ پس میں خدا تعالیٰ کا نام لیکر حضرت ناصر کے سوانح سے اس سلسلہ کو شروع کرتا ہوں اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت میر صاحب قبلہ رضی اللہ عنہ نے ایک زمانہ میں خود لوگوں کو یہ تحریک کی تھی۔ جیسا کہ سوانح حیات میں آپ پڑھیں گے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جو کام جس حد تک میں کر سکتا ہوں۔ اسے کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے چاہوں۔ کہ اگر پانچسو احباب اس سلسلہ کے مستقل خریدار ہو جائیں تو جلد سے جلد ایسے رسالے شائع ہو سکیں خدا کے فضل سے توقع ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے فضل پر بھروسہ ہے اسی کی توفیق سے ہوگا جو کچھ ہوگا۔ والسلام :-

خاکسار خادم سلسلہ احمدیہ۔ عرفانی
:- ایڈیٹر الحکم وغیرہ :-

کنج عافیت واقعہ نواب منزل
قادیان دار الامان
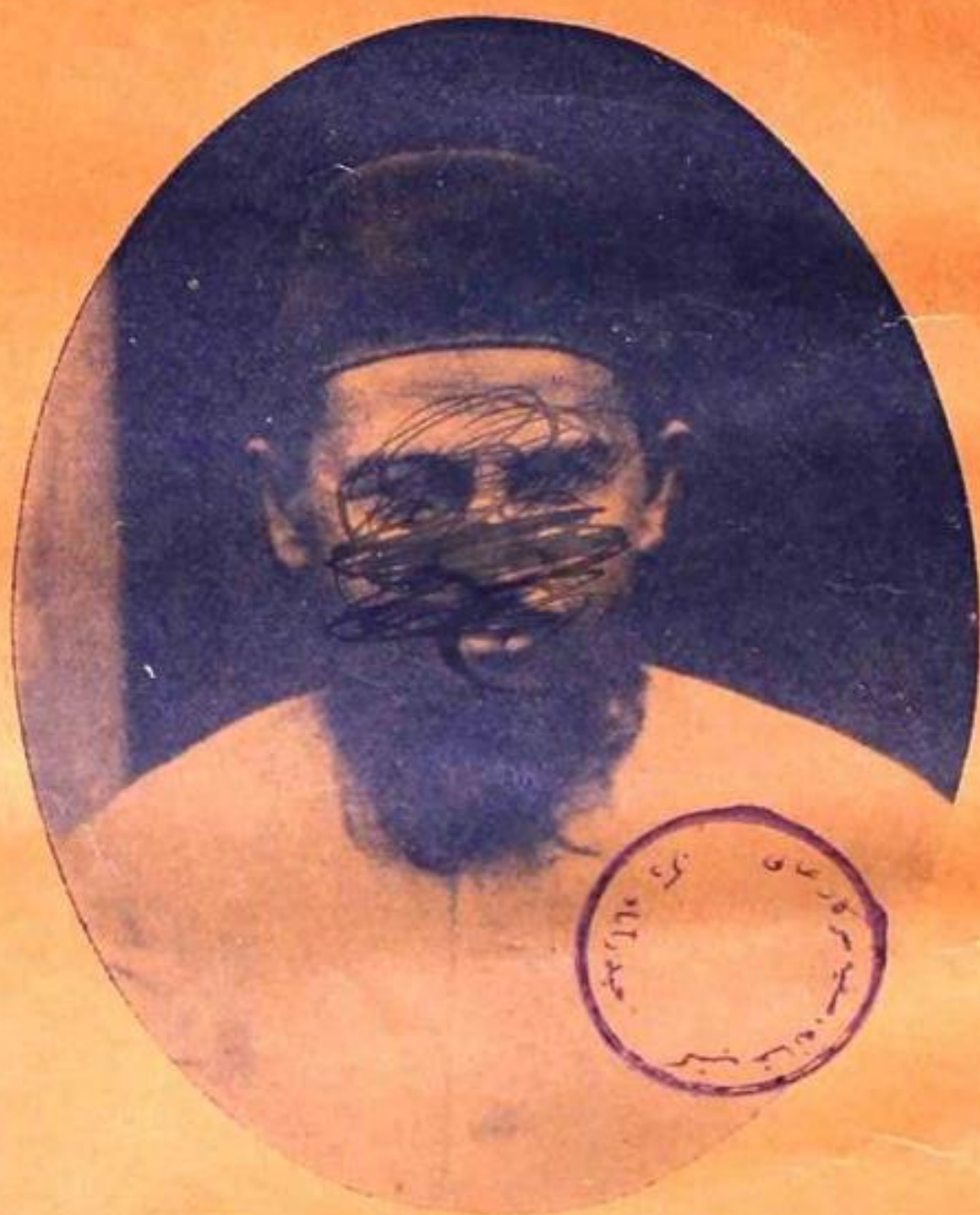
حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ

Lion Press, Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے ساتھ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے سوانح و سیرۃ کے سلسلہ کو شروع کرتا ہوں۔ اور ناصر کے نام سے تفاول لیتا ہوا خدا تعالےٰ کے فضل اور نصرت کی دُعا کرتا ہوں۔ حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ حالات زندگی کا ایک اجمالی بیان خود حضرت موصوف نے آج سے پندرہ برس پیشتر لکھا تھا۔ اور میں نے تحدیث نعمت بزبان ناصر کے عنوان سے اسے شائع کر دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کے عنوان سے الحکم میں جو سلسلہ میں لکھ رہا تھا۔ اس کے تحت حضرت نانا جان کے حالات میں نے اپنے علم اور ذاتی تجربہ کی بنا پر لکھے۔ اسلئے کہ عرصہ دراز سے خود مجھے حضرت موصوف سے سعادت شناسائی حاصل ہو چکی تھی۔ اب جبکہ میں کتابی صورت میں حالات صحابہ ترتیب دے رہا ہوں۔ حضرت میر صاحب کے خود نوشت تذکرہ (آٹو بایو گرافی) کے ساتھ اپنے ان مقالہ جات کو ہی شامل کر دیتا ہوں جو اس خصوص میں میں نے لکھے تھے۔ جہاں میں نے مناسب سمجھا ہے۔ ترتیب میں مناسب تبدیلیاں بھی کر دی ہیں۔

حضرت میر صاحب کی زندگی میں ان کے توکل اور الٰہی دستگیری کے عجیب و غریب کرشمے نظر آتے ہیں۔ کس طرح پر انہوں نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایثار نفس اور قربانی سے کام لیا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے ماٗمور و مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے ساتھ تعلق ورشتہ نے انہیں کس طرح پر زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ میں اب کسی لمبی تمہید کے بغیر حیاتِ ناصر کا آغاز کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

حیات ناصر بزبان ناصر

اے دوستو ناصر کی کہانی سُن لو ٭ ہے اپنے خدا کی مہربانی سُن لو
ہر چیز کو ہے موت و تغیر درپیش ٭ مولیٰ کی ہے ذات جاودانی سُن لو

ابتدائی حالات اور مشکلات

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی ابتدائی زندگی یتیمی کے اثرات اور گوناگوں مشکلات کا ایک مرقع ہے۔ ان کی حالت اس مرغ اسیر سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ جو اڑنے سے پہلے ہی اسیر صیاد ہو گیا ہو ؎

پنہاں تھا دام قریب آشیاں کے ٭ اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

حضرت میر صاحب نے داغ یتیمی اور مفلسی کی مشکلات کا آپ صحیح اور صاف الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ آپ تکلف اور نمائش سے قطعاً کوئی کام نہ لینا چاہتے تھے۔ آپ نے پسند نہیں کیا۔ کہ واقعات صحیحہ کو چھپانے کی کوشش کریں۔ یہ امر آپ کی راستبازی اور صداقت پسندی کی ایک زبردست دلیل ہے۔ بہر حال فرماتے ہیں۔

زمانہ بھی عجیب چیز ہے۔ ایک زمانہ تھا میں نہ تھا۔ پھر ایک زمانہ آیا۔ کہ میں پیدا ہوا۔ اور دلی شہر میں جنم لیا۔ خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمۃ کے گھرانے میں پیدا ہو کر نشوونما پایا۔ اور ان کی بارہ دری میں کھیل کود کر بڑا ہوا۔ ان کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی فکر و اندیشہ دامنگیر نہ تھا۔ کہ ناگہاں میرے حال میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی۔ جس کا بظاہر کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اتفاقاً میرے والد ماجد کسی کام کے لئے بنارس تشریف لے گئے۔ اور شاہ آباد آرہ میں ہیضہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اور میں معہ اپنی دو ہمشیرہ کے یتیم رہ گیا۔ اور میری والدہ حالت جوانی میں بیوہ رہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط سامان معیشت بظاہر کچھ نہ رہا۔ فقط اللہ ہی کا آسرا تھا۔ دادا صاحب اگرچہ موجود تھے۔ مگر وہ

اسّی سالہ ضعیف تھے۔ اور کچھ جائداد بھی نہ رکھتے تھے۔ اور جو جائداد تھی۔ وہ ہمارے خاندان سے جا چکی تھی۔ اور مفلس محض رہ گئے تھے۔ اس پر ظاہر آراستہ رکھنا بھی ضروری تھا۔ ایک سوتیلے بھائی صاحب کچھ آسودہ حال تھے۔ اُنھوں نے توجہ نہ فرمائی۔ کیونکہ عرب کا خون پھیکا پڑ گیا تھا۔ نانا صاحب نے کفالت اختیار کی۔ اور ماموں صاحب نے ہم سب کا بوجھ اُٹھایا۔ اللہ تعالےٰ انہیں جنت نصیب کرے۔ آمین۔ یتیمی کے صدمات سے ہنوز مخلصی نہ ہوئی تھی۔ اور بے پدری کا غم نہ بھولا تھا۔ کہ یکایک دُنیا

غدر کی دردناک کہانی خاندانی مصائب میں اضافہ

میں ایک اور سخت تبدیلی پیدا ہوئی۔ کہ اکثر لوگ تخت سے تختۂ زمین پر گر پڑے۔ اور اہل وطن پر ایک تازہ بلا نازل ہوئی۔ یعنی ۱۸۵۷ء کا غدر تشریف لے آیا۔ انگریزی فوج نے کسی جھگڑے پر سرکار سے بغاوت اختیار کی۔ اور ہندوستان کی فوجوں میں عام سرکشی پھیل گئی۔ اور جا بجا سے فوجیں فساد کر کے دلی میں آکر جمع ہو گئیں۔ انگریزوں نے بقیہ فوجوں کو جمع کیا۔ اور گورہ فوج کو اطراف سے اکٹھا کر کے وہ بھی برگشتہ فوج کے تعاقب میں دلی میں پہنچے۔ اور دلی کا محاصرہ کر لیا۔ دلی کے لوگ حیران و پریشان اور ناگہانی تماشہ جبراً قہراً دیکھتے رہے۔ مگر کسی کو اس قدر دسترس نہ تھی۔ کہ اس آتش فساد کو فرو کرتا۔ پوربیے شہر پر مسلط تھے۔ اور برائے نام بہادر شاہ کو بادشاہ بنا رکھا تھا۔ ایک اندھیر پڑا ہوا تھا۔ اور ہر شخص کو اپنی جان و مال کا دغدغہ لگا رہتا تھا۔ دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو گیا تھا۔ جوں جوں محاصرہ تنگ ہوتا جاتا تھا۔ توں توں شہر کی آفت بڑھتی جاتی تھی۔ شہر پر اس قدر گولے پڑتے تھے۔ کہ فصیل اور متصلہ مکانات چھلنی ہو گئے تھے۔ بعض لوگ گولوں سے ہلاک بھی ہوتے جاتے تھے۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد دلی انگریزوں نے فتح کر لی۔ اور باغی فوج وہاں سے بھاگ گئی۔ دلی والوں کی شامت آ گئی۔ کر گیا داڑھی والا اور پکڑا گیا مونچھوں والا۔ نانی نے خصم کیا اور نواسہ پر جرمانہ ہوا۔ فتح مندوں نے شہر کو برباد کر دیا۔ اور فتح کے شکریہ میں صدہا آدمیوں کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ مجرم اور غیر مجرم میں تمیز نہیں تھی۔ چھوٹا بڑا۔ ادنیٰ اعلیٰ برباد ہو گیا۔ سوائے چوہڑے چماروں اور نیز بنیوں وغیرہ کے یا ہندوؤں کے خاص محلوں کے کوئی لوٹ مار سے نہیں بچا۔ ایک طوفان تھا۔ کہ جس میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ غرضیکہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ شہر کے لوگ ڈر کے مارے شہر سے نکل گئے۔ اور جو نہ نکلے وہ جبراً نکالے گئے۔ اور قتل کیے گئے۔ یہ عاجز بھی ہمراہ اپنے کنبہ کے دلی دروازہ کی راہ سے باہر گیا۔ چلتے وقت لوگوں نے اپنی عزیز

چیزیں جن کو اُٹھا سکے ہمراہ لے لیں۔ میری والدہ صاحبہ نے اللہ ان کو جنت نصیب کرے میرے والد کا قرآن شریف جو اب تک میرے پاس ان کی نشانی موجود ہے۔ اُٹھا لیا۔ شہر سے نکل کر ہمارا قافلہ بہ صحرا چل نکلا۔ اور رفتہ رفتہ قطب صاحب تک جو دلی سے ۱۱ میل پر ایک مشہور خانقاہ ہے۔ جا پہنچا۔ وہاں پہنچکر ایک دو روز ایک حویلی میں آرام سے بیٹھے رہتے تھے۔ کہ دنیا نے ایک اور نقشہ بدلا۔ یکایک ہارسن صاحب افسر رسالہ مع مختصر اردل کے قضا کی طرح ہمارے سر پر آ پہنچے۔ اور دروازہ کھلوا کر ہمارے مردوں پر بندوقوں کی ایک باڑھ ماری۔ اور جس کو گولی نہ لگی۔ اس کو تلوار سے قتل کیا۔ یہ نہیں پوچھا کہ تم کون ہو۔ ہماری طرف کے ہو یا دشمنوں کے طرفدار ہو۔ اسی یک طرفہ لڑائی میں میرے چند عزیز راہی ملک عدم ہو گئے۔ پھر حکم ملا۔ کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ ہم سب زن و مرد و بچّہ اپنے مُردوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں حیران و پریشان وہاں سے روانہ ہوئے۔ لیکن بہ سبب رات کے اندھیرے اور سخت دہشت و اثر گوں کی نیرگی کے رات بھر قطب صاحب کی لاٹ کے گرد طواف کرتے رہے۔ صبح کو معلوم ہُوا کہ تیلی کے بیل کی طرح وہیں کے وہیں ہیں۔ ایک کوس بھی سفر طے نہیں ہُوا۔ صبح کو نظام الدین اولیا کی بستی میں پہنچے۔ اور وہاں رہ کر چند روز اپنے مقتولوں کو روتے رہے۔ زیادہ دِقّت یہ پیش آئی۔ کہ اب بعض کے پاس کچھ کھانے کو بھی نہ رہا تھا۔ کہ ناگہاں رحمت الٰہی نے دستگیری فرمائی۔ ایک میرے ماموں صاحب حکمہ نہر میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کا کنبہ ہم سے پہلے پانی پت میں پہنچ چکا تھا۔

پانی پت میں ورود اور امن کا سامان

جب ان کو ہماری پریشانی کا حال معلوم ہُوا۔ تو انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو چند چھکڑے دیکر ہمارے لینے کے لئے بھیجا۔ وہ ہم سب کو ان چھکڑوں پر بٹھا کر پانی پت لے گئے۔ وہاں پر پہنچکر ذرا ہمیں آرام و اطمینان ملا۔ یعنی ہمارے حال میں ایک اور تغیر و تبدل ہُوا۔ ڈھائی برس ہم وہاں رہے۔ پانی پت کے لوگوں نے دِلّی کے برباد شدہ لوگوں سے نیک سلوک کیا۔ اور ان کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کے لئے سامان آرام مہیا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بخشے۔ اور ان کی اولاد پر رحم فرماوے۔ ڈھائی سال کے بعد پھر دلّی آباد ہوئی۔ اور تمام بےوطنوں کو اپنے وطن میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی۔ اہل دلّی چاروں طرف سے آکر آباد ہونے لگے۔ میرا کنبہ بھی دِلّی میں آکر اپنے اپنے گھروں میں آباد ہُوا۔ بجز گھروں کی چار دیواری کے اور سب کچھ لٹ چکا تھا۔

یہاں تک کہ ہمارے گھروں کے کواڑ بھی لوگ اُتار کرلے گئے تھے۔ صرف چوکھٹیں باقی رہ گئیں تھیں۔ اب دنیا نے اور رنگ بدلا۔ اس وقت میری عمر بارہ سال کی ہو چکی تھی۔ اسوقت میری

ابتدائی تعلیم والدہ کی شفقت سفر پنجاب

عالی حوصلہ ماں نے میری بہتری اور تعلیم کے لئے مجھے میرے ماموں **میر ناصر حسین** صاحب کے پاس ملک پنجاب میں بمقام مادھوپور ضلع گورداسپور بھیجدیا تین چار سال تک میں اپنے ماموں صاحب کے پاس مادھوپور میں رہا۔ مگر میری کوتاہی کے باعث کوئی علم مجھے حاصل نہ ہوا۔ اور میں نے اپنے بڑے بھائی صاحب کے مشورہ سے انگریزی پڑھنے سے انکار کردیا۔ ہاں یہ فائدہ مجھے ہوا۔ کہ میرے بزرگ بدعتی تھے۔ میں اہلحدیث بن گیا۔ اور خاندان شاہ ولی اللہ صاحب سے مجھے محبت ہو گئی۔ یہ بھی مذہبی تبدیلی مجھ میں خدا کے فضل سے پیدا ہوئی۔ ورنہ بظاہر اس کی کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ میرے ماموں صاحب حضرت جہتر المعروف مکان شریف کے مُرید تھے۔ اور ہمارا اصلی خاندان یعنی خواجہ میر درد صاحب کا گھرانہ بھی مبتلائے بدعات ہو چکا تھا۔ اور برائے نام حنفی المذہب کہلاتا تھا۔ اب ایک اور عالیشان

شادی خانہ آبادی

تغیر مجھ میں پیدا ہوا۔ یعنی ۱۶ سال کی عمر میں میری فہمیدہ اور دانا اماں نے نشیب و فراز زمانہ کو مدنظر رکھ کر میری شادی ایک شریف اور سادات کے خاندان میں کردی۔ اور میرے پاؤں میں بخیال خود ایک بیڑی پہنادی۔ تاکہ میں آوارہ نہ ہوں۔ اس باعث سے میں بہت سی بلاؤں اور ابتلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور میری والدہ صاحبہ کی اس تجویز نے مجھے بہت ہی فائدہ پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جنت نصیب کرے۔ آمین۔ اس بابرکت بیوی نے جس سے میرا پالا پڑا تھا۔ مجھے بہت ہی آرام دیا۔ اور نہایت ہی وفاداری سے میرے ساتھ اوقات بسری کی۔ اور ہمیشہ مجھے نیک صلاح دیتی رہی۔ اور کبھی بے جا مجھ پر دباؤ نہیں ڈالا۔ نہ مجھ کو میری طاقت سے بڑھ کر تکلیف دی۔

میرے بچوں کو بہت ہی شفقت اور جانفشانی سے پالا۔ نہ کبھی بچوں کو سانہ مارا۔ اللہ تعالےٰ اسے دین و دنیا میں سرخرو رکھے۔ اور بعد انتقال جنت الفردوس عنایت فرماوے۔ بہرحال عسر و یسر میں میرا ساتھ دیا۔ جس کو میں نے مانا اس کو اس نے مانا جسکو میں نے پیر بنایا۔ اس نے بھی اس سے بلا تامل بیعت کی۔ چنانچہ عبداللہ صاحب غزنوی کی میرے ساتھ بیعت کی۔ نیز مرزا صاحب کو جب میں نے تسلیم کیا۔

تو اس نے بھی مان لیا۔ ایسی بیویاں بہی دنیا میں کم میسر آتی ہیں۔ یہ بھی میری ایک خوش نصیبی ہے جس کا میں شکر گذار ہوں۔ کئی لوگ بسبب دینی اور دنیوی اختلاف کے بیویوں کے ہاتھ سے نالاں پائے جاتے ہیں۔ جو گویا کہ دنیا میں دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ میں تو اپنی بیوی کے نیک سلوک سے دنیا ہی میں جنت میں ہوں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ شادی کے تین سال بعد میرے گھر میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک با اقبال اور نیک نصیب لڑکی پیدا ہوئی۔ جو لڑکوں سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے عالیشان رتبہ بخشا ہے۔ وہ ہمارے زمانہ کی خدیجہؓ اور عائشہؓ ہے۔ رضی اللہ عنہا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد میری والدہ صاحبہ کی دعاؤں کی برکت سے جس جائداد کے حاصل کرنے کے لئے میرے باپ پورب جاکر وہیں رہ گئے تھے۔ ہمیں بغیر ظاہری کوشش کے پانچ ہزار روپیہ کی قیمتی جائداد حاصل ہوئی۔ جس کی آمدنی ۱۲ ماہوار ہے۔ جب میری عمر ۱۲ سال کی ہوئی۔ اور بیکاری کے سبب سے آوارہ ہو چلا۔ تو میری خیر اندیش والدہ نے پھر میرے ماموں صاحب کے پاس لاہور میں بھیجدیا۔ وہاں پہنچکر میں ان سے ایک سال تک تعلیم پاتا رہا۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے پھر ماموں صاحب کی سفارش سے بعہدہ سب اورسیری امرتسر میں ملازم ہو گیا۔ اس وقت اس عاجز کی عمر ۲۲ سال کی تہی۔ اب میرے حال میں ایک اور تغیر پیدا ہوا۔ میں ستھیالی اور کاہنووان میں ایک مدت تک ملازم رہا۔ اور چند سال کے بعد کچھ عرصہ قادیان میں بھی رہنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ اور حضرت مرزا صاحب سے بذریعہ ان کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کے جو میرے ماموں صاحب کے واقف تھے۔ ملاقات ہوئی۔

حضرت مسیح موعودؑ سے پہلی ملاقات اور تعلقات کی ابتدا

یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ حضرت مرزا صاحب براہین احمدیہ لکھ رہے تھے۔ ہنوز وفات مسیح ناصری کا تذکرہ بالکل نہ تھا۔ اور وہ بزعم دنیا آسمان ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ چند ماہ کے بعد اس عاجز کی بدلی قادیان سے لاہور کے ضلع میں ہو گئی۔ اس وقت چند روز کے لئے بندہ اپنے اہل وعیال کو حضرت مرزا صاحب کے مشورہ سے ان کے دولت خانہ چھوڑ گیا تہا۔ اور جب وہاں مکان کا بندوبست ہو گیا۔ تو آکر لے گیا۔ میں نے اپنے گھر والوں سے سُنا کہ جب تک میرے گھر کے لوگ مرزا صاحب کے گھر میں رہے۔ مرزا صاحب کبھی گھر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ باہر کے مکان میں رہے۔ اس قدر ان کو میری عزت

٭ ۱۸۷۶ء کی بات ہے۔ (عرفانی)

کا خیال تھا۔ وہ بھی عجب وقت تھا۔ حضرت صاحب گوشہ نشین تھے۔ عبادت اور تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ لالہ شرمپت اور ملاوامل کبھی کبھی حضرت صاحب کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور حضرت صاحب کے کشف اور الہام سُنا کرتے تھے۔ بلکہ کئی کشوف اور الہاموں کے پورے ہونے کے گواہ بھی ہیں۔ اس وقت یہ سچے اور نرم دل تھے۔ اس کے بعد قوم کے دباؤ میں آکر حضرت صاحب سے جُدا ہو گئے۔ اور یہ دونوں جب حضرت صاحب کا نکاح دِلّی میں میرے ہاں ہوا تھا۔ تب بھی ساتھ گئے تھے۔ اسوقت یہ مصدق تھے۔ پیچھے مکذّب بنے۔ اس وقت حضرت مرزا صاحب کی شہرت بالکل نہیں تھی۔ کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ کہ مرزا غلام احمد صاحبؑ کسی زمانہ میں مسیح موعود و مہدی مسعود بنیں گے۔ اور تمام جہان میں ان کی شہرت ہو جاویگی۔ اور ان کے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ حاضر ہونگے۔ اور ان کو ملک ملک سے تحفے پہنچیں گے۔ چند سال کے بعد مجھے خبر ملی کہ براہین احمدیہ مرزا صاحب نے چھپوا کر شائع فرما دی ہے۔ بندہ نے بھی ایک نسخہ خرید ا۔ پھر عاجز نے چند امور کے لئے

حضرت ام المومنین کے نکاح کی تحریک

حضرت مرزا صاحب سے دعا منگوانے کے لئے خط لکھا جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا۔ کہ دعا کریں مجھے خدا تعالیٰ نیک اور صالح داماد عطا فرمائے۔ اس کے جواب میں مجھے حضرت مرزا صاحب نے تحریر فرمایا۔ کہ میرا تعلق میری بیوی سے گویا نہ ہونیکے برابر ہے۔ اور میں اور نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے۔ کہ جیسا تمہارا عمدہ خاندان ہے۔ ایسا ہی تم کو سادات کے عالیشان خاندان میں سے زوجہ عطا کروں گا۔ اور اس نکاح میں برکت ہوگی۔ اور اس کا سب سامان میں خود ہم پہنچاؤں گا تمہیں کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ یہ آپ کے خط کا خلاصہ ہے۔ بلفظہ یاد نہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپ مجھ پر نیک ظنی کر کے اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ اور تا تصفیہ اس امر کو مخفی رکھیں اور رد کرنے میں جلدی نہ کریں۔ مجھکو یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ تمہارے ہاں یا دلّی میں نکاح ہونیکا مجھے الہام ہوا ہے۔ لیکن بعض اپنے احباب کو اس سے ہی مطلع فرمایا۔ کہ دلّی میں سادات کے خاندان میں میرا نکاح ہوگا۔ پہلے تو میں نے کچھ تامل کیا کیونکہ مرزا صاحب کی عمر زیادہ تھی۔ اور بیوی بچے موجود تھے۔ اور ہماری قوم کے بھی نہ تھے۔ مگر پھر حضرت مرزا صاحب کی نیکی اور نیک مزاجی پر نظر کر کے جس کا میں دل سے خواہاں تھا۔ میں نے اپنے دل میں منظور کر لیا۔ کہ اسی نیک مرد سے میں اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ کر دوں

نیز مجھے دلی کے لوگ اور وہاں کی عادات و اطوار بالکل ناپسند تھے۔ اور وہاں کے رسم و رواج سے سخت بیزار تھا۔ اس لئے ہمیشہ اللہ تعالےٰ سے دعا مانگا کرتا تھا۔ کہ میرا مربی و محسن مجھے کوئی نیک اور صالح داماد عطا فرماوے۔ یہ دعا میں نے باربار اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی آخر قبول ہوئی اور مجھے ایسا بزرگ صالح متقی خدا کا مسیح و مہدی نبی اللہ و رسول اللہ خاتم الخلفاء اللہ تعالیٰ نے داماد عطا فرمایا۔ جس پر لوگ رشک کریں۔ تو بجا ہے۔ اور میں اگر اس پر فخر کروں۔ تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اس نکاح سے چند سال بیشتر میرے گھر میں پانچ بچوں کے مرنے کے بعد ایک لڑکا پیدا ہو کر زندہ رہا جس کا نام محمد اسمٰعیل رکھا۔ جو اب میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ میں ضلع لاہور سے تبدیل ہو کر پٹیالہ و مالیر کوٹلہ کی طرف گیا۔ وہاں سے چند ماہ کے بعد نقشہ نویس ہو کر ملتان میں پہونچا۔ اب زمانہ نے بہت رنگ بدلے۔ اور میرے حال میں کئی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ آخر میں ملتان سے ذلو رخصت لیکر دلی پہنچا۔ اور اپنی فرمانبردار بیوی کو لڑکی کے نکاح کے بارہ میں بہت سمجھا بجھا کر راضی کیا۔ اور سوائے اپنی رفیق بیوی کے اور کسی کو اطلاع نہیں دی۔ اس واسطے کہ ایسا نہ ہو کنبہ میں شور پڑ جاوے۔ اور میرا کیا کرایا کام بگڑ جاوے۔ اور میری والدہ صاحبہ و دیگر اقربا مانع ہوں۔ انجام کار ۱۸۸۵ء میں مینے حضرت مرزا صاحب کو چپکے سے بُلا بھیجا۔ اور خواجہ میر درد صاحب کی مسجد میں بین العصر والمغرب اپنی دختر نیک اختر کا حضرت صاحب سے گیارہ سو روپیہ مہر کے بدلے نکاح کر دیا۔ نکاح کا خطبہ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے پڑھا۔ وہ ڈولی میں بیٹھ کر تشریف لائے تھے۔ کیونکہ ضعف اور بڑھاپے کے باعث چل پھر نہیں سکتے تھے۔ عین موقعہ پر میں نے اپنے اور اپنی بیوی کے رشتہ داروں کو بُلایا۔ اس لئے وہ کچھ کر نہ سکے بعض نے تو گالیاں بھی دیں۔ اور بعض دانت پیسکر رہ گئے۔ جانبین سے کوئی تکلف عمل میں نہیں آیا۔ رسم و رسوم کا نام تک نہ تھا۔ ہر ایک کام سیدھا سادہ ہوُا۔ مینے جہیز کو صندوق میں بند کر کے کنجی مرزا صاحب کو دیدی۔ اور لڑکی کو چپ چپاتے رُخصت کر دیا۔ برخلاف اس کے ہمارے کنبہ میں لاکھ لاکھ مہر بندھا کرتا ہے۔ اور دنیا کی ساری رسمیں جو خلاف شرع ہیں۔ ادا کی جاتی ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک کہ مروجہ بد رسوم میں سے ہمارے ہاں کوئی بھی نہیں ہوئی۔ یہ قصہ خصوصاً اس واسطے لکھا ہے۔ کہ اکثر احمدی احباب نکاح کا حال پوچھا کرتے ہیں۔ کہ تمہارے ہاں حضرت مرزا صاحبؑ کا تعلق کیونکر ہوُا۔ بار بار متفرق اصحاب کے

آگے دوہرانے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ لوگ اس تحریر کو پڑھ لیں گے۔ اس وقت میر محمد اسمٰعیل کی عمر تین چار سال کی تھی۔ یہ بھی میرے حال میں ایک تبدیلی تھی۔ اور زمانہ کا ایک عظیم پلٹا تھا۔ جس کے سبب سے میں ایک بڑا اور تاریخی آدمی بن گیا۔ چند اپنی برادری کے دنیادار آدمیوں کو چھوڑا خدا تعالےٰ نے مجھے لاکھوں سچے محب اور ہزاروں مومنین صالحین عطاء فرمائے۔ جو مجھے بجائے باپ کے سمجھتے ہیں۔ اور آئندہ جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونگے وہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مجھ پر بھی درود بھیجا کریں گے۔

ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔

یہ باتیں عاجز نے بطور فخرو تکبر کے نہیں لکھیں بلکہ بطور تحدیث نعمت تحریر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واما بنعمت ربک فحدث بعد اس کے میری تبدیلی انبالہ

مختلف مقامات پر تبدیلیاں

چھاؤنی کو ہوگئی۔ وہاں حضرت مسیح علیہ السلام ہمارے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ یہ پہلا شرف تھا۔ جو مجھے حاصل ہؤا۔ لیکن میں نے اس کی شکر گذاری نہیں کی۔ کیونکہ میں اس نعمت کی شناخت سے نابینا تھا۔ پھر اس عاجز کی تبدیلی ایک بزرگ نے جو مجھ سے ناراض ہو گئے تھے۔ لدہیانہ میں کرادی۔ لدھیانہ میں بھی چند بار حضرت مرزا صاحبؑ مع اہل و عیال ہم سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ عرصہ تک لدھیانہ میں رہے۔ ۱۸۸۹ء میں سلسلہ بیعت لدہانہ میں شروع ہؤا۔ اس وقت میں احمدی نہیں ہؤا تھا۔ اور نہ میں حضرت صاحب کو مسیح و مہدی مانتا تھا۔ لہذا میں نے بیعت نہیں کی تھی۔ میں منافق نہیں تھا۔ کہ بظاہر بیعت کر لیتا اور دل میں مرزا صاحب کو سچا نہ سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے راستباز اور صاف گو بنایا ہے۔ یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک بڑا فضل ہے۔ لدہیانہ کو ایک اور بھی خصوصیت ہے۔ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے وہاں آکر حضرت مرزا صاحب سے ہنگامہ آرائی کی اور ایک بڑا مباحثہ ہؤا۔ چونکہ محمد حسین کو آتش حسد نے جلا رکھا تھا۔ اور وہ بار بار مشتعل ہو ہو جاتا تھا۔ اور چونکہ دلائل اس کے ہاتھ میں نہیں تھے۔ اس کو غصہ بہت آتا تھا۔ اس لئے مولوی محمد حسین صاحب کو سخت شکست ہوئی۔ اور وہ دیوانہ وار حملہ کرنے کو تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ لدھیانہ میں میرے ہاں بعد اور پانچ بچوں کے انتقال کے

میر محمد اسحاق کی پیدائش اور وجہ تسمیہ

ایک اور لڑکا محمد اسحٰق پیدا ہؤا۔ اور یہ برکت دعائے مسیح و مہدی اللہ تعالےٰ نے اسے عمر بخشی۔ محمد اسحاق نام اگرچہ محمد اسمٰعیل کے ساتھ نسبت

دکھتا تھا۔ مگر ایک سبب اس نام رکھنے کا یہ بھی ہوا۔ جبکہ یہ عاجز لدھیانہ میں تھا۔ اور ہنوز
محمد اسحٰق حمل ہی میں تھا۔ کہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی لدھیانہ میں آئے۔ میں ان کی ملاقات
کے لئے محمد اسمٰعیل کو لے گیا۔ کیونکہ ہنوز ہم میں اور اہل حدیث میں سخت تفرقہ نہیں پڑا تھا۔
اور وہ ہمارے سخت دشمن نہیں بنے تھے۔ نیز مولوی نذیر حسین صاحب میرے استاد بھی تھے۔
اور دلّی کے اہلحدیث کے سرگروہ۔ تب مولوی نذیر حسین صاحب نے محمد اسمٰعیل کے سر پر شفقت سے
ہاتھ پھیر کر کہا۔ کہ ؎

برائے کردن تنبیہ فساق ٭ دوبارہ آمد اسمٰعیل و اسحاق

جب اسحٰق پیدا ہوا۔ تو میں نے محمد اسحاق نام رکھا۔ لدھیانہ سے ایک دفعہ میری تبدیلی پٹیالہ میں
ہوئی۔ وہاں سے میں قادیان میں بتقریب جلسہ جو پہلی دفعہ قادیان ہوا تھا گیا۔ اس مرتبہ حضرت

حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا انکشاف اور بیعت
قادیان کا سفر اور سادہ زندگی کا ایک واقعہ

صاحب کی سچائی مجھ پر کھلی اور میں نے حضرت مرزا صاحب کو امام اور مسیح تسلیم کر کے ان سے بیعت کر لی۔ بعض باتیں
ایسی ہیں۔ کہ بالترتیب نہیں یاد آئیں۔ وہ متفرق طور پر لکھتا ہوں۔ کہ فائدہ سے خالی نہیں۔ حضرت
صاحب کے ہاں پہلی دفعہ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ جس کا نام عصمت بیگم رکھا گیا تھا۔ وہ چند سالہ ہو کر
لدھیانہ میں انتقال کر گئی تھی۔ اس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کو بشیر اوّل کہتے ہیں۔ اس لڑکے
اور لڑکی کی پیدائش اور موت پر بھی لوگوں نے شور مچایا تھا۔ لڑکی کی پیدائش سے پہلے حضرت
صاحب نے اشتہار دیا۔ کہ میرے ہاں ایک عالیشان لڑکا ہوگا۔ مگر یہ نہیں تحریر فرمایا تھا۔ کہ وہ اسی
حمل سے ہوگا۔ جب لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ تو مخالفین نے عجب فضول اتہامات رکھے کہ مرزا صاحب
کی پیشگوئی معاذاللہ غلط نکلی۔ لیکن وہ خود غلطی پر تھے۔ جب بشیر اوّل پیدا ہوا۔ تو یہ عاجز انبالہ میں
تھا۔ اس کے عقیقہ پر انبالہ سے چلا تو بٹالہ میں آکر دیکھا۔ کہ سخت طوفان باراں بپا ہے۔ اور راہ قادیان
ناقابل گذر بن گیا ہے۔ تاہم میں نے ایک خچر کرایہ کی۔ اور اسی طوفان میں روانہ ہو کر شام کے قریب
قادیان کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس قدر قریب ہوگیا۔ کہ قادیان نظر آنے لگا۔ مگر رستہ میں پانی
اس قدر تھا۔ کہ راہ ناقابل گذر تھا۔ اندیشہ تھا۔ کہ کسی گڑھے میں گر کر ڈوب نہ جاؤں۔ لہذا بنا جادی

واپس ہو کر ایک گاؤں میں رات کو زمین پر پڑا رہا۔ صبح کو بھی کوئی صورت قادیان پہنچنے کی نظر نہ آئی کیونکہ بارش بند نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا واپس چلا گیا۔ یہ قصہ بھی عجیب تھا۔ اس لئے تحریر کر دیا۔

ایک مرتبہ میں انبالہ میں تھا۔ کہ حضرت صاحب کا تار گیا۔ کہ وہ جان بر لب ہیں۔ فوراً آؤ۔ فوراً میں قادیان میں پہنچا۔ لیکن آکر دیکھا۔ تو آرام ہو چکا۔ اور حضرت صاحب اچھی حالت میں تھے۔ ان دنوں میں جب میں آیا کرتا تھا۔ تو حضرت صاحب مجھے رخصت کرنے بھی جایا کرتے تھے۔ ان دنوں میں زیادہ مہمان نہیں آتے جاتے تھے۔ پٹیالہ سے پھر لدھیانہ میں میری تبدیلی ہو گئی۔ اور وہاں سے پھر پٹیالہ میں گیا۔ اس وقت حضرت صاحب دلّی میں تشریف لے گئے۔ اور دلّی کے مولویوں کو اپنے

حضرت مسیح موعودؑ کے سفر دہلی و پٹیالہ و لدھیانہ پر ایک نظر

مامور ہونے اور وفات مسیح کے معاملہ میں تبلیغ فرمائی خصوصاً مولوی نذیر حسین صاحب سرگروہ اہلحدیث کو اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے بلایا۔ مگر وہ سادہ مزاج تھے۔ شاگردوں کو ڈر ہوا۔ کہ کہیں حق ان کے منہ سے نہ نکل جائے۔ اس لئے ان کو مرزا صاحب کے روبرو نہ ہونے دیا اور چالاکیوں سے کام لیتے رہے۔ اور چاہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ذلیل کر کے دلّی سے نکال دیں لیکن خود ہی ذلیل ہوئے۔ اور ان کی سخت پردہ دری ہوئی۔ بہت مشکل سے مولوی نذیر حسین صاحب جامع مسجد میں پانچ ہزار آدمیوں کے مجمع میں تشریف لائے۔ جہاں مرزا صاحب مع چند رفقاء کے درمیانی دروازہ میں شیر کی طرح اللہ تعالیٰ پر توکل کئے بیٹھے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب باوجود پانچ ہزار مددگاروں اور اس قدر کثیر یاروں کے بھی مرزا صاحب کے مقابل میں نہیں آئے۔ بلکہ مسجد کے ایک گوشہ میں چھپے بیٹھے رہے۔ اور ٹال مٹول کو سپر بنایا۔ اور گفتگو تک ان کے شاگردوں نے نوبت نہ آنے دی۔ انجام کار سرکاری افسروں نے مجمع کو مباحثہ سے مایوس ہو کر منتشر کر دیا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو بحفاظت ان کے ڈیرہ پر پہنچا دیا۔ اس عرصہ میں دلّی کے لوگوں نے اپنی شرافت کا خوب نمونہ دکھایا۔ اور کوئی بھی بھلا مانس وہاں نظر نہ آیا۔ وہ شہر جو علماء فضلاء اور حکماء کا منبع اور مرکز تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ مرکز و منبع بہائم ہے۔ یا درندوں کا ایک جنگل ہے۔ اور یہ مثل مشہور ان پر صادق آتی تھی "مسلمان در گور و مسلمانی در کتاب" آخر حضرت مرزا صاحب ان لوگوں سے مایوس ہو کر پٹیالہ میں تشریف لائے۔ جہاں یہ عاجز ملازم اور مقیم تھا۔ وہاں بھی نیم ملاؤں نے حضرت صاحب سے بہت شرارت کی اور کم بختی کی داد دی

اور کچھ فائدہ مرتب نہ ہوا۔ ناچار حضرت صاحب قادیان واپس تشریف لے گئے۔ خدا کی قدرت پٹیالہ سے میری تبدیلی فیروزپور میں ہوگئی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت صاحب مع اہل و عیال ہم سے ملنے کے لئے فیروزپور میں تشریف لے گئے*۔ احباب بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک ماہ تک ہمارے ہاں رہے اس وقت میاں محمود چھوٹے بچے تھے۔ اور میاں بشیر تو گود ہی میں شیر خوار تھے۔ اس وقت کچھ عرصہ گذر چکا تھا۔ جبکہ بمقام امرتسر حضرت صاحب میں اور ڈپٹی عبداللہ آتھم میں دین اسلام کی صداقت اور موجودہ مذہب عیسائی کی صداقت کی بابت گفتگو ہو چکی تھی۔ اور پندرہ روز تک یہ مباحثہ رہا تھا حضرت صاحبؑ نے اپنا ایک الہام سُنا کر اس مباحثہ کو ختم کیا تھا۔ الفاظ الہام مجھے یاد نہیں۔ قریباً الہام یہ تھا۔ کہ چونکہ ہمارے پندرہ روز اس مباحثہ میں گذرے ہیں۔ اسلئے پندرہ ماہ تک اللہ تعالےٰ نے حکم کیا ہے۔ میں جھوٹوں کو ذلیل و ہلاک کرونگا۔ اور اس کو ہاویہ میں گرا دوں گا۔ بشرطیکہ وہ حق کیطرف رجوع نہ کریں۔ اگر حق کی طرف رجوع کریں۔ تو عذاب سے محفوظ رہیں۔ اور سچوں کو عزت دوں گا۔ وغیرہ اس الہام کے دو پہلو تھے۔ ایک عذاب کا اور ایک رجوع کا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم اس وقت ڈر گیا۔

فیروزپور سے مردان تبدیلی کا سبب

اور اس الہام سے سخت متاثر ہوا۔ اور اس قدر ڈرا کہ امرتسر سے بھاگ گیا۔ فیروزپور میں جاکر اپنے داماد میاں داس کے مکان پر رہا۔ پھر بھی سخت خوفناک تھا۔ اور نہایت ڈرتا رہتا تھا۔ اسے پریشان خوابیں آتیں اور ہر دم اسے اپنی موت پیش نظر رہتی تھی۔ اس کی کوٹھی کے پاس ایک دفعہ بندوق کی آواز خدا جانے اصلی تھی یا وہمی۔ اس نے اور اس کے معاونین نے سُنی اور خیال کیا۔ کہ مرزا صاحبؑ نے اپنا الہام پورا کرنے کے لئے مجھ پر کچھ لوگ مقرر کر رکھے ہیں۔ کہ وہ مجھے ہلاک کر دیں۔ پھر سوچا کہ یہاں محکمہ نہر میں ان کے خسر میر ناصر نواب نقشہ نویس ہیں۔ شاید انہیں کی وساطت سے یہ کام انجام پذیر ہو۔ لہذا ان کو یہاں سے نکالنا چاہیئے۔ واللہ اعلم کسی طرح میری تبدیلی فیروزپور سے ہوتی مردان کی ہوئی یا کرائی گئی۔ یہ بھی ایک تغیر تھا۔ جو مجھ پر وارد ہوا۔ لیکن اس کے ایک ہی پہلو پر ہر ایک شخص نے خیال دوڑایا۔ دوسری طرف کو فراموش کر دیا۔ بالکل ڈپٹی عبداللہ آتھم کی موت کا خیال بلا استثنےٰ دونوں میں بٹھا لیا۔ آخر کار یہ پہلا پہلو غلط نکلا۔ یعنی وہ مرا نہیں۔ بلکہ رجوع والا پہلو درست ثابت ہوا۔ لیکن جب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کو مطلع نہیں کیا۔

* الحمد للہ عرفانی اسوقت وہاں گیا تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ لاہور تک آیا تھا۔ سنہ ۱۸۹۳ء (عرفانی)

اور حضرت صاحب نے لوگوں کو بذریعہ اشتہارات اطلاع نہیں دی۔ ملک میں ایک تلاطم بپا ہو گیا۔ اور ہماری جماعت کے اکثر اشخاص مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ اور آفت میں پھنس گئے۔ میں چونکہ مردان میں بنا گیا ہوا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں سے میری ملاقات زیادہ نہیں تھی۔ میں اس ابتلاء کے وقت محفوظ رہا۔

مردان سے پنشن

اب ایک اور تبدیلی میرے حال میں واقع ہوئی۔ مردان میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ نہایت پریشانی کی حالت میں چند ماہ میں نے وہاں گذارے آخر گھبرا کر میں نے فرلو لیلی۔ اور ہنوز فرلو ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ میری پنشن منظور ہو گئی۔ اور میں قادیان میں ہمیشہ کے لئے مقیم ہو گیا۔ میں جس وقت قادیان میں آیا تھا۔ وہ زمانہ تھا۔ کہ جب شریف احمد پیدا ہوئے تھے۔ محمد اسمٰعیل کو اس وقت لاہور میں تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ وہ لاہور میں تعلیم پاتے رہے۔ ایف اے پاس کرنے کے بعد اسسٹنٹ سرجن کلاس میں داخل ہوئے اور پانچ برس کے بعد امتحان پاس کر کے اوّل رہنے کے سبب سے ہوس سرجن بنے اور اب اللہ تعالےٰ کے فضل سے اپنے ہم چشموں اور ہمعصروں میں معزز اور ممتاز ہیں۔ الحمد للہ علےٰ ذالک۔

یہ سب حضرت صاحب کی دُعاؤں کی برکت ہے۔ جن کے مجھ پر اور میرے متعلقین پر بے انتہاء کرم تھے۔ محمد اسحٰق کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی۔ اور لاغر و بیمار رہا کرتا تھا۔ مدرسہ میں تیسری جماعت میں پڑھا کرتا تھا۔ چونکہ اسے اکثر بخار رہنے لگا۔ میں نے سمجھا کہ اگر تعلیم جاری رہی تو یہ بچہ ہلاک ہو جاوے گا۔ اس لئے مدرسہ سے اُٹھا لیا۔ تھوڑا عربی کا سبق مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے جاری رکھا۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح سے تعلیم شروع کی۔ اور چند سال بعد مولوی کا امتحان دیا۔ اور اوّل نمبر پہ پاس ہؤا۔ پھر گذشتہ سال میں مولوی فاضل کا امتحان دیکر پاس کیا۔ اور اب مدرسہ احمدیہ میں معلم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دن پروفیسر ہو گا۔ الحمد للہ علےٰ ذالک :۔

حضرت مسیح موعودؑ کے برکات

بندہ سرکاری نوکری سے فارغ ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ گویا کہ میں ان کا پرائیوٹ سکرٹری تھا۔ خدمتگار تھا۔ انجنیر تھا۔ مالی تھا۔ زمین کا مختار تھا۔ معاملہ وصول کیا کرتا تھا۔ میں نے حضرت صاحب کے اکثر معجزات

بچشم خود دیکھے۔ بلکہ خود میری ذات اور میرے گھر والوں اور بچوں پر ان کا اثر ہُوا۔ زلزلہ کے وقت نہایت اندیشہ ہُوا۔ کہ خدا جانے محمدؐ اسمٰعیل کا کیا حال ہُوا۔ ممکن ہے۔ زلزلہ میں کہیں کسی مکان کے تلے دب کر مر گیا ہو۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مرا نہیں۔ مجھے الہام ہُوا ہے۔ کہ ڈاکٹر محمدؐ اسمٰعیل وہ ڈاکٹر ہو گا۔ محمدؐ اسحاق کو دو دفعہ طاعون ہُوا۔ آپ کی دُعا سے اچھا ہُوا۔ اور آپ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ کہ یہ مریگا نہیں

دہلی میں علالت اور حضرت کی دُعا سے صحت

ایک دفعہ تین چار گھنٹے میں بخار بھی جاتا رہا اور گلٹیاں بھی زدہ ہو گئیں مجھے ایک دفعہ سخت گردہ کا درد ہُوا۔ میں نے جب آپ کو بلایا تو دیکھ کر فوراً واپس ہو گئے۔ تنہائی میں جا کر دعا شروع کر دی۔ جس کا اثر فوراً ہُوا۔ اور یہ عاجز اچھا ہو گیا۔ ایک دفعہ ہم سب حضرت مرزا صاحب کے ہمراہ دلی گئے۔ وہاں میں سخت بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور محمدؐ اسمٰعیل میرا بیٹا سخت پریشان ہو گئے۔ حضرت صاحب نے مولوی حکیم مولوی نور الدین صاحب کو تار دیا۔ کہ فوراً چلے آؤ۔ وہ فوراً دلی چلے گئے۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے شفا فرما دی۔ اور حضرت صاحب میرے تندرست ہونے سے بہت خوش ہوئے۔ ابتدا

حضرت اقدس کی خدمت

میں جب کہیں حضرت صاحب باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو مجھے گھر کی حفاظت اور قادیان کی خدمت کے لئے چھوڑ جاتے تھے۔ اور آخر زمانہ میں جب کہیں سفر کرتے تھے اور گھر کے لوگ ہمراہ ہوتے تھے۔ تو بندہ بھی ہمرکاب ہوتا تھا۔ چنانچہ جب آپ لاہور میں تشریف لے گئے۔ جس سفر میں آپ کو سفر آخرت پیش آیا۔ تب بھی بندہ آپ کے ہمراہ تھا۔ اور اس شام کی سیر میں بھی شریک تھا۔ جس کے دوسرے روز آپ نے قبل از دوپہر انتقال فرمایا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ۝

اب بڑی اور سخت تبدیلی میرے حال میں پیدا ہوئی۔ اور ایسی سخت مصیبت نازل ہوئی۔ کہ جس کی تلافی بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا میری تکلیف کو کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت صاحب جس رات کو بیمار ہوئے۔ اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ تو مجھے جگایا گیا تھا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا۔ اور آپ کا حال دیکھا۔ تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپؑ کا انتقال ہو گیا۔ ایک طرف تو ہم پر آپ کے

انتقال کی مصیبت پڑی تھی۔ دوسری طرف لاہور کے شورہ پشت اور بدمعاش لوگوں نے بڑا غل غپاڑہ اور شور و شر بپا کیا تھا۔ اور ہمارے گھر کو گھیر رکھا تھا۔ کہ ناگہاں سرکاری پولیس ہماری حفاظت کے لئے رحمت الٰہی سے آپہنچی۔ اور اس نے ہمیں ان شریروں کے دست تظلم سے بچاکر بحفاظت تمام ریلوے سٹیشن تک پہنچا دیا۔ ہم سرکار دولتمدار انگریزی کے نہایت شکرگذار ہیں۔ جس نے ہمیں امن دیا اور ہمارے کمینہ دشمنوں سے ہمیں بچایا۔ ہم اسی رات کو حضرت صاحب کا جنازہ لیکر بٹالہ آپہنچے۔ یہ واقعہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کا ہے۔ ۲۷ کو قادیان میں پہنچکر قبل از دفن ہم سب نے مولوی نورالدین کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ اس کے بعد آپ کا لقب خلیفۃ المسیح مقرر ہوا۔ اب میرے متعلق کوئی کام نہ رہا۔ کیونکہ وہ کام لینے والا ہی نہ رہا۔ دنیا سے اُٹھ گیا۔ میر صاحب میر صاحب کی صدائیں اب مدھم پڑ گئیں۔ بلکہ کئی اور میر صاحب پیدا ہو گئے۔ شکر ہے۔ کہ یہ بھی ایک قسم کا غرور مجھ سے دور ہوا۔ اور ناز جاتا رہا۔ کیونکہ کوئی نازبردار نہ رہا۔ حضرت صاحب کی جدائی کے غم اور آپ کے سلسلہ کے کاموں سے سبکدوشی نے مجھے پریشان کر دیا۔ اسی پریشانی میں اس عاجز نے ضعفاء قادیان کی

حضرت اقدس کی وفات کے بعد

حالت کو بے کسی کے عالم میں پا کر ان کی خدمت کے لئے مستعد ہو گیا۔ اور تمام جماعت میں پھر کر مسجد نور نام وارڈ ہسپتال مردانہ و زنانہ اور دور الضعفاء کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ مسجد تو ایک سال سے زیادہ گذرا کہ طیار ہو گئی ہے۔ اور ہسپتال کے واسطے دو سال گذر چکے ہیں۔ کہ مولوی محمد علے[^1] صاحب ایم۔اے سکرٹری صدر انجمن احمدیہ کے پاس تین ہزار روپیہ جمع کرا دیا ہے[^2]۔ اب ہسپتال کا بنانا یا نہ بنانا مولوی صاحب موصوف کی مرضی اور اختیار میں ہے۔ جب وہ چاہیں گے بنائیں گے میرے اختیار سے یہ بات باہر ہے۔ امید ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد بنا دینگے۔ تین ہزار روپیہ دور الضعفاء[^3] کے واسطے اس وقت میرے پاس جمع ہے۔ جس سے دس مکان بعد برسات انشاء اللہ تعالیٰ بنائے جائیں گے۔ اور دس دیگر۔ جب اور روپیہ جمع ہو جائیگا۔ تو تعمیر ہونگے۔ کیونکہ ہمیں مکانوں کی جگہ نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت صاحب کے باغ کے پاس عطا فرمائی ہے۔ ہائے دنیا تیرے عجیب کرشمے ہیں۔ میں نے اس تھوڑے سے زمانہ میں ترقیاں بھی دیکھیں تنزل بھی ملاحظہ کئے۔ لیکن میرے مولا نے جس قدر

---

[^2]: اس وقت یہ ہسپتال نہایت شاندار بنا ہوا ہے۔ اور مخلوق الٰہی کو بے حد نفع پہنچ رہا ہے۔ (عرفانی)

[^3]: دور الضعفاء بھی خوب آباد ہے۔ (عرفانی)

[^1]: مولوی صاحب خلافت احمدیہ سے غدر کر کے لاہور جا چکے ہیں۔ (عرفانی)

فضل مجھ پر کئے۔ اس کا شکر میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس میرے محسن نے مجھے انسان بنایا۔ مسلمان بنایا۔ عالی نسب بنایا۔ اپنے پیارے ابراہیم و اسمٰعیل اور اپنی نیک اور صابرہ ہاجرہ کی نسل میں پیدا کیا۔ پھر اپنے بندے رسول مقبول محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و علی ابن ابی طالب خدیجۃ الکبریٰ فاطمہ زہرا کی اولاد میں ہونے کی عزت بخشی۔ امام حسین امام زین العابدین امام باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسل میں ہونیکا شرف بخشا۔ پھر خواجہ محمد ناصر و خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمۃ کی ذریت میں پیدا کر کے دلی کے معزز خاندان میں بنایا۔ بیوی معزز شریف اور رحم دل عطا کی۔ بچے نہایت شریف اور اہل کمال اور مؤدب بخشے۔ بیٹی وہ عنایت فرمائی جو قیامت تک بہ سبب مسیح علیہ السلام کی بیوی ہونے کے معزز اور ممتاز رہے گی۔ اور ام المومنین ہو کر ایک عالی شان قوم کی ماں کہلائے گی۔ نواسے ایسے عطا فرمائے۔ جو ہر ایک آیت اللہ اور نشان عظیم جن کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ داماد ایسا دیا جس کا ثانی محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نہیں۔ حضرت صاحب سے پہلے عبد اللہ غزنوی کی بیعت کی تھی۔ وہ بھی اپنے وقت کا لاثانی پیشوا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔ بعد حضرت صاحب کے جس سے بیعت کی۔ وہ بھی نسب اور علم و عمل اور خصوصاً علم قرآن و حدیث میں یگانۂ آفاق ہے ؎

جو دیا حق نے مجھے اچھا دیا ※ جو دیا رتبہ مجھے اعلیٰ دیا

انعام الٰہی پر شکریہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ اب بھی اگر میں مبارک اور لائق مبارک باد نہیں۔ تو اور کون ہوگا۔ احمدی تو مجھے اپنا بزرگ ہی سمجھتے ہیں۔ غیروں سے ہمارا تعلق نہیں۔ وہ جو چاہیں کہیں۔ جو چاہیں سمجھیں۔ میرے اللہ جلشانہٗ نے مجھے بڑی عزت بخشی ہے۔ اب دوسروں کی عزت افزائی کا میں محتاج نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا رتبہ بخشا ہوا اچھا ہوتا ہے۔ یا لوگوں کا۔ لوگ تو غلط راہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صراط مستقیم پر رہتا ہے۔ کبھی وہ پاک پروردگار غلط راہ اختیار نہیں فرماتا۔ وہ تمام اغلاط سے پاک ہے۔ جو اس عالم الغیب کے خلاف کرتا ہے۔ وہ خود سرکش یا بے وقوف ہے۔ اس سے ناراض ہونا بھی حماقت ہے۔ البتہ جو نقص مجھ میں ہیں۔ مجھے ان کا خیال ضرور چاہیئے۔ کہ وہ میری عزت کے چاند کے واسطے حکم گرہن رکھتا ہے۔ مجھ میں چند عیب ہیں۔ ایک غصہ زیادہ ہے۔ اور محل و بے محل آ جاتا ہے۔ دوسرے ہر کہ و مہ سے بے تکلف ہو جاتا ہوں۔ تیسرے کینہ و ردل کی طرح اندر کچھ نہیں رکھتا۔ ظاہر کر دیتا ہوں۔ اور چھوٹے بڑے کی رعایت نہیں کرتا۔ جو بات حق ہوتی ہے

اس کے ظاہر کرنے میں مجھے کبھی تامل نہیں ہوتا۔ میری نظر میں امیر و غریب یکساں ہیں۔ لوگ اس سے چکراتے ہیں۔ اور سخت گھبراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں ہدایت دے۔ جو ان میں سے حقیقی عیب ہے اس سے مجھے پاک کرے۔ آمین۔ لوگ بھی سچے ہیں۔ وہ بہ سبب دوری کے میرے اور میرے محبوب کے حالات سے واقف نہیں۔ مجھ پر میرا مسیح اس قدر مہربان تھا۔ کہ میری اور اس کی چارپائی میں ایک دیوار فقط حائل ہوا کرتی تھی۔ اور کبھی کبھی رات کو بھی کوئی خواب یا الہام ہوتا تھا۔ تو مجھے بھی سنا دیتے تھے۔ پھر اس کے بعد اور کی نامہربانی کا شکوہ عبث اور ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر کس قدر احسان ہیں۔ میرے آبا بھی تمام دنیا سے زیادہ سرفراز و ممتاز تھے۔ اور میرا داماد و اولاد بھی اس زمانہ کے لوگوں سے کس قدر بلند مرتبہ ہیں۔ اب ان سے کمتر لوگوں کی طرف نظر رکھنا اور ان سے کسی چیز کا آرزومند ہونا اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں تو اور کیا ہے۔ کل دنیا تو خدا کو بھی نہیں مانتی۔ رسولؐ سے بھی بے پروا ہے۔ صحابہ و اہل بیت کو گالیاں دیتی ہے۔ اللہ وبس باقی ہوس۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے۔ کہ میرا مولا مجھے سچا ایمان عطاء فرماوے۔ اور پکا مسلمان کرکے مارے۔ اور اپنے پاس سے عزت اور جاودانی دولت بخشے آمین۔ (یہ دعا قبول ہوگئی۔ عرفانی)

وللہ العزت ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون و اٰخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العالمین ط

(ناصر نواب۔ قادیان ۲۲ جون ۱۹۱۲ء)

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ کی یہ آٹو بیاگرافی کا نہایت ہی جامع اور مختصر خلاصہ ہے۔ حضرت میر صاحب نے اپنے واقعات زندگی کی کہانی کو اپنی زبانی جس شان سے بیان کیا ہے۔ وہ نہایت موثر اور قابل قدر ہے۔ اب ذیل میں میں خود ان کی سیرت کے بعض حصوں پر بحث کرتا ہوں۔ میں نے الحکم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین مختلف اوقات میں لکھنا شروع کیا۔ اور بعض دوستوں کے حالات کو میں نے شائع بھی کیا۔ میری غرض ہمیشہ یہ رہی۔ کہ ان صالحین کے تذکروں سے آئندہ نسلیں فائدہ اٹھائیں۔ اور ان کے ذکر خیر کے اجر سے مجھے ثواب ہو۔ اور جن لوگوں سے سالہا سال اور عرصہ دراز کا رسمی نہیں۔ بلکہ محبت و اخلاص کا تعلق چلا آیا ہے ان کی

موت کے ساتھ ہی ہم ان کو بھول نہ جاویں۔ بلکہ ان کی یاد کو تازہ رکھیں۔ تاکہ اس طرح پر پیچھے آنے والی نسلوں کو اپنے بزرگوں کے لئے دعا کی تحریک ہوتی رہے۔ اور ان کی خوبیوں کے اتباع کے لئے ان میں جوش پیدا ہو۔ اس خصوص میں جب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات کے مجموعوں پر نظر کرتا ہوں۔ تو مجھے شرم آجاتی ہے۔ کہ وہ زمانہ جبکہ کاغذ ناپید تھا۔ اور طباعت اور اشاعت کے ذرائع مفقود تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کے حالات زندگی کو اس طرح پر محفوظ کیا گیا۔ اور آج جبکہ ہر قسم کی آسانیاں موجود ہیں۔ ہم اس سے قاصر رہیں غرض اس قسم کے خیالات نے مجھے ہمیشہ وقتاً فوقتاً تحریک دلائی ہے۔ اور جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں کرتا رہا۔ اب میں ان بزرگوں اور دوستوں میں سے سب سے پہلے

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ

کا ذکر خیر کرنا چاہتا ہوں۔ کیا اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے ان کو وہ عزت اور عظمت دی تھی۔ کہ اب دنیا میں کسی شخص کو نہیں مل سکتی۔ خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہ مقدر کیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ انکو **صہری ابوت** کا فخر حاصل ہو۔ اور اس طرح پر ان کو ایک **امۃ مسلمہ** کا نانا ہونے کا شرف ملے۔ اور کیا اس لئے کہ ذاتی طور پر ان میں ایسی قربانیاں اور کمالات تھے۔ کہ وہ سلسلہ احمدیہ میں ایک محسن اور واجب الاحترام بزرگ تھے۔ ان کی خدمات ان کی قربانی سلسلہ کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں۔ کہ وہ میری کسی معرفی کی محتاج ہو۔ وہ اپنے پیچھے اس قدر نمونے اور یادگاریں نیکی کی چھوڑ گئے ہیں۔ کہ

ان کو دنیا میں بھی ابدی حیات حاصل ہے

میری پہلی ملاقات

۱۸۸۹ء میں جبکہ میں لدھیانہ کے میونسپل بورڈ ہائی سکول میں سپیشل کلاس کا طالب علم تھا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ میری عمر اس وقت ۱۴ سال کی تھی۔ مجھکو عیسائیوں سے مباحثات کرنے کا شوق تھا۔ ان ایام میں جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری اور ان کے برادر معظم حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ لدھیانہ میں حضرت مولوی عبد القادر صاحب رضی اللہ عنہ کے اخص تلامذہ میں تھے۔ عیسائیوں سے مباحثات

کا شوق مجھے شیخ اللہ دیا صاحب جلد ساز کی دوکان پر لے گیا۔ جہاں ردِ نصاریٰ کی کتابوں کی ایک عمدہ لائبریری تھی۔ اور اخبار منشور محمدی بنگلور کے فائل موجود تھے۔ خود شیخ صاحب اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت میر صاحبؓ ان ایام میں لدھیانہ تھے۔ اور روزانہ وہاں تشریف لاتے۔ حضرت میر صاحب پکے اور مخلص عامل بالحدیث تھے۔ خود شیخ اللہ دیا صاحب بھی اہلحدیث تھے میں خود ان ایام میں حنفی کہلاتا تھا۔ ایک شخص حافظ عبدالباقی صاحب (جو کٹر حنفی تھے) بھی روزانہ وہاں آتے۔ اور عصر کی نماز کے بعد شیخ اللہ دیا صاحب کی دوکان پر ایک اچھا خاصہ مذہبی مجمع ہوا کرتا تھا۔ مشن کمپونڈ سے آنیوالے پادری اسی راستہ سے گذرتے اور وہاں ضرور ٹھیر جاتے۔ کبھی ان سے اور کبھی حضرت میر صاحب اور حافظ صاحب سے مذہبی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔

ان مجلسوں کی جب یاد آتی ہے۔ تو عجیب لطف اور سرور طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ غرض انہیں ایام میں حضرت میر صاحب سے میری واقفیت ہوئی۔ اور خدا کا احسان اور محض فضل ہے۔ کہ آج ۸۰ سو برس کے بعد اس تعلق کو زیادہ شیریں بہت مضبوط اور موثر پاتا ہوں۔ پس میں حضرت میر صاحبؓ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کچھ لکھوں گا۔ وہ میرے ۴۰ سالہ تجربہ کا نچوڑ ہے۔

میں میر صاحب قبلہ کی زندگی کے تفصیلی حالات اور سوانح اس مقام پر لکھنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ میں ان کی سیرۃ کے بعض شمائل کا تذکرہ کروں گا۔ جو ہمارے لئے نشان میل ہو سکتے ہیں۔

سادگی اور بے تکلفی

جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے۔ میں ۱۸۸۹ء میں پہلی مرتبہ حضرت نانا جان سے ملا۔ اور سب سے پہلی بات جس نے مجھے ان کی طرف متوجہ کیا۔ اور میرے دل پر انکی عظمت کا نقش ہوا۔ وہ ان کی سادگی تھی۔

ان کے لباس میں کبھی نمائش یا آرائش کا پہلو مدنظر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ لباس کی غرض صحیح ستر پوشی اور موسمی لحاظ سے گرمی یا سردی سے بچاؤ ہوتا تھا۔ وہ ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنا کرتے تھے۔ اور چھوٹی سی سفید پگڑی یا رومی ٹوپی جو عموماً بغیر پھندنے کے ہوتی پہنتے تھے۔ آخر عمر میں افغانی ٹوپی کی طرز پر ہندوستان کی بنی ہوئی ٹوپی بھی پہنتے رہے۔ ان ایام میں ان کا لباس کرتہ صدری اور اس پر سفید جبہ ہوتا تھا۔ اور پاؤں میں لدھیانہ کی بنی ہوئی جوتی۔ غرض لباس میں کوئی تکلف نہ تھا۔ اور کبھی انہوں نے اپنے عہدہ اور منصب کے لحاظ سے کسی برتری کا اظہار کیا۔ وہ غرباء کی اس مجلس میں آکر بیٹھتے

اور جب تک بیٹھے رہتے مذہبی اور دینی تذکرے ہوتے۔

راست گوئی اور ایمانی جرأت

حضرت میر صاحب ان ایام میں اہلحدیث تھے۔ (جن کو اس زمانہ میں وہابی کہتے تھے۔ اور اس گروہ کی سخت مخالفت ہوتی تھی۔ لدھیانہ وہاں کے مشہور کا ذکر علماء "عبدالعزیز اینڈ برادرز" کے اثر کے نیچے تھا۔ اور اہلحدیث کی مخالفت ہوتی تھی۔ مگر حضرت میر صاحب نے کبھی اپنے عقائد کے اخفاء کی کوشش نہ کی۔ جہاں ذکر آتا دلیرانہ ان کا اظہار کرتے۔ اور یہ خدا کے فضل کی بات ہے۔ کہ شریر سے شریر لوگ بھی ان کے سرنگوں ہوتے تھے۔ جس عقیدہ کو انہوں نے صحیح سمجھا اس میں کسی اپنے پرائے کا خیال نہیں کیا۔ خدا کے لئے اسے قبول کیا۔

ان کی زندگی میں اس کی بڑی نمایاں مثال یہ بھی ہے۔ کہ ایک زمانہ میں جو زیادہ سے زیادہ ایک یا دو سال کا ہوگا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا۔ باوجود اس تعلق اور رشتہ کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے انہیں تھا۔ انہوں نے جب تک دلائل عقلیہ اور شرعیہ سے اس کو سمجھ نہ لیا۔ انکار کیا۔ اور نہ صرف انکار کیا۔ بلکہ مخالفت کی یہ مخالفت گو ناجائز تھی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ تھی خدا کے لئے۔ اسلئے وہ اس اختلاف میں بھی انشاء اللہ ماجور ہونگے۔ ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسہ پر وہ قادیان آئے۔ اور اس وقت مخالف ہی تھے۔ مگر اس جلسہ کے برکات نے انکے سینہ کو کھولدیا۔ اور پھر کبھی کسی شک و ریب نے راہ نہ پائی۔ اور اس کے لئے انہوں نے بہت بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ اپنے بہت سے عزیزوں اور زمانہ اہلحدیث کے معزز دوستوں کو خدا کے لئے ترک کر دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور سید نذیر حسین صاحب دہلوی سے بہت محبت کے تعلقات تھے۔ مگر خدا کی رضاء کے لئے انہوں نے

الحبُّ للہ والبغض للہ ،

کا نمونہ دکھایا۔ انکی دلیری جرأت اور صاف گوئی جماعت میں ضرب المثل تھی۔ اگرچہ اس میں لازمی مرارت بھی ہو۔ ہر معاملہ میں وہ راستبازی سے کام لیتے تھے۔ اور اس کے اظہار میں وہ ظاہر داری اور خود داری کے پہلوؤں کو ہمیشہ لغو سمجھتے تھے۔ میں اس موقعہ پر ایک واقعہ کا بیان کرنے سے نہیں رک سکتا۔ وہ محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ افسران نہر نے ایک قاعدہ کے ماتحت ان سے سو روپیہ نقدی کی ضمانت طلب کی

ان کے معاصرین نے زرِ ضمانت داخل کر دیا۔ مگر میر صاحب نے کہا۔ کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور فی الحقیقت نہیں تھا۔

جو کام ان کے سپرد تھا۔ (اور سیری کا) وہ اس میں ہزاروں روپیہ پیدا کر سکتے تھے۔ اور لوگ کرتے ہیں۔ مگر وہ حلال اور حرام میں خدا کے فضل سے امتیاز کرتے تھے۔ اور ان کی ملازمت کا عہد رشوت ستانی کے داغ سے بالکل پاک رہا۔ اور اکل حلال انکا عام شیوہ تھا۔

غرض انہوں نے صاف کہا۔ کہ میرے پاس روپیہ نہیں۔ دوستوں نے افسروں نے ہرچند کہا۔ کہ آپ روپیہ کسی سے قرض لیکر داخل کر دیں۔ آپ یہی کہتے رہے۔ کہ میں قرض ادا کہاں سے کروں گا۔ میری ذاتی آمدنی سے قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ اور رشوت میں لیتا نہیں۔ آخر ان کو نوٹس دیا گیا۔ کہ یا تو روپیہ داخل کرو۔ ورنہ علیحدہ کئے جاؤ گے۔ انھوں نے عزم کر لیا۔ کہ علیحدگی منظور ہے۔ مگر معاملہ چیف انجینیر تک پہنچا۔ جب اس نے کاغذات کو دیکھا۔ تو اسے بہت ہی خوشی ہوئی۔ کہ اس کے محکمہ میں

ایسا امین موجود ہے

وہ جانتا تھا۔ کہ سب اوورسیر اور اوورسیر ہزاروں روپیہ کما لیتے ہیں۔ جو شخص **ایک سو روپیہ** داخل نہیں کر سکتا۔ اور اسے علم ہے۔ کہ اس عدم ادخال کا نتیجہ ملازمت سے علیحدگی ہے۔ قرض بھی نہیں لیتا۔ کہ اس کے ادا کرنے کا ذریعہ اس کے پاس نہیں یقیناً وہ **امین** ہے۔ اور میر صاحب کو ادخال ضمانت سے اس نے مستثنے کر دیا۔ یہ تھا اثر ان کی دیانتداری اور راستبازی کا۔ تمام محکمہ کو اس پر حیرت تھی۔ میر صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک بنگالی ہیڈ کلرک ان کا دوست اسی محکمہ میں تھا۔ اس نے ہرچند چاہا۔ کہ وہ اپنے پاس سے اس زر ضمانت کو داخل کر دے۔ مگر میر صاحب نے اس کو بھی اجازت نہ دی۔ یہ ایک ہی واقعہ میر صاحب کی سیرۃ کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے ان کی راستبازی دیانت۔ ادائے قرض کا فکر اور عہد کی پابندی ایک ہی وقت ثابت ہوتی ہے۔ اونھوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی کہ انکے ہم چشم اور رفقاء کار کیا کہیں گے۔ کہ ایک سو روپیہ میر صاحب کے پاس نہیں۔ یہ تو بھلا ملازمت کا معاملہ تھا۔ لوگ تو عام طور پر وضعداری قائم رکھنے کے لئے بھی اگر پاس نہ بھی ہو۔ تو انکار نہیں کرتے۔ اور خواہ قرض لیکر ہی دینا پڑے دوستوں اور دوسروں کے سامنے اپنی

تہیدستی کا اظہار نہیں کرتے۔ اور یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دینا چاہتے۔ کہ ان کے پاس روپیہ نہیں۔ مگر حضرت میر صاحب نے اس جھوٹی مشیخت کی پرواہ نہ کی۔ اور صاف طور پر اپنی حالت کا اظہار کر دیا۔ ہم سب جانتے ہیں۔ کہ ایسے موقعہ پر لوگ کس سپرٹ سے کام لیتے ہیں۔ غرض وہ راستبازی اور جرأت کے ایک مجسمہ تھے۔ اور سچی بات کے کہنے سے خواہ وہ کسی کے بھی خلاف ہو کبھی رُکتے نہیں تھے۔ اور یہ مثل بھی بار ہا پڑھا کرتے تھے۔

سچی بات سعد اللہ کہے سب کے منہ سے اُترا رہے

راستبازی۔ جرأت اور دلیری ان کے محکمہ میں ضرب المثل تھی۔ اور یہ جرأت محض ان کی دیانت اور ادائے فرض کا نتیجہ تھی۔ وہ کبھی بڑے سے بڑے افسر سے بھی نہ ڈرتے تھے۔ اور اپنے معاملات کے متعلق اس دلیری سے جواب دیا کرتے تھے۔ کہ دوسروں کو حیرت ہوتی تھی۔ باوجود طبیعت میں تیزی اور غصہ کے کسی سے دشمنی اور عداوت نہ ہوتی تھی۔ اور دل کو ہمیشہ کینہ سے صاف رکھتے تھے۔ اور جب حق مل جاوے اور اپنی غلطی کا علم ہو جاوے۔ تو غلطی سے رجوع کر کے حق کو قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔ عام طور پر وجاہت اور نمائے علم و نجابت انسان کو اپنی بات کی پنچ کی عادت ڈال دیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے میر صاحب قبلہ کو اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں بھی جرأت اور دلیری عطاء کی تھی۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ کچھ عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ سمجھ میں نہ آیا۔ مخالفت کرنے لگے۔ لیکن جب اس کی حقیقت کھُل گئی۔ تو اپنی غلطیوں کا علی رؤس الاشہاد اقرار کیا۔ اور ایک اعلان شائع کر کے رجوع کیا۔ اس کے بعد ان کے بہت سے دوستوں نے جو مخالفت کر رہے تھے۔ ان کو پھر جادہ مستقیم سے ہٹانا چاہا۔ مگر خدا تعالیٰ نے انکے سینہ کو کھول دیا تھا۔ اُنھوں نے قطعاً توجہ نہ کی۔ اور خود ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ اور یوماً فیوماً اس جوش اور غیرت دینی میں ترقی کرتے رہے۔

صاف دلی حضرت میر صاحب بہت ہی نیک دل اور سینہ صاف پاکیزہ طبیعت رکھتے تھے۔ اگر کسی سے ناراض ہوتے۔ تو اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا ساری عمر اب اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ مگر آپ کی عادت میں یہ امر داخل تھا۔ کہ تین دن سے زیادہ غصہ کبھی نہیں رکھتے تھے۔ اور خود سب سے پہلے السلام علیکم کہتے اور صفائی کر لیتے تھے۔ اور نہ صرف صفائی کرتے

بلکہ بعض اوقات معذرت میں انہیں تامل نہیں ہوتا تھا۔ اس خصوص میں آپ کی زندگی کے بعض واقعات خاص طور پر لکھتے ہیں۔

فلاسفر کا ایک واقعہ

ہماری جماعت میں فلاسفر صاحب میاں الٰہ دین نام مشہور ہے۔ جن ایام میں حضرت میر صاحب پنشن لیکر تشریف لائے۔ فلاسفر صاحب سے کسی بات پر تکرار ہوگیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ فلاسفر صاحب کو مار پڑی۔ معاملہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ نے فلاسفر صاحب کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حضرت میر صاحب اور بعض دوسرے دونوں نے فلاسفر صاحب سے معافی چاہی۔ اور حضرت میر صاحب سب سے پہلے پہنچے۔ انہوں نے ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ اس سے میر صاحب کی صاف دلی پر ہی روشنی نہیں پڑتی۔ بلکہ ایمان کی جو یہ شرط ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدون حرجا مما قضیت نہایت شرح صدر کے ساتھ نہایت اخلاص اور جوش سے حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

غرض حضرت نانا جان کی صاف گوئی اور صاف دلی آئینہ کی طرح روشن تھی۔ وہ حق کے کہنے میں کسی چھوٹے بڑے کی رعایت نہ کرتے۔ اور سینہ کو ہمیشہ بغض وحسد سے پاک رکھتے تھے۔ اگر کسی سے ناراض ہوتے۔ تو اس میں نہایت کا زنگ نہ ہوتا۔ خود السّلام علیکم سے ابتداء کرتے۔ اور معافی مانگ لینے میں کبھی کسر شان نہ سمجھتے۔

میرا اپنا واقعہ

خاکسار عرفانی سے بھی متعدد مرتبہ جھڑپ ہوگئی۔ میں اپنی غصہ ور طبیعت کا خود اعتراف کرتا ہوں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے۔ کہہ گذرتا ہوں۔ جب اوّل اوّل میں خدا کے فضل سے ہجرت کر کے قادیان آگیا۔ میری جوانی کا آغاز تھا۔ طبیعت پہلے ہی تیز واقع ہوئی تھی۔ میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا ہیڈ ماسٹر تھا۔ اور حضرت نانا جان ناظم۔ بعض باتوں میں حضرت نانا جان سے جھڑ گئی۔ میں اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ ایک دن بعد نماز مغرب جب حضرت مسجد مبارک کی شہ نشین پر تشریف فرما تھے۔ میں نے اس قضیہ کو با چشم گریاں حضرت کے پیش کرنا چاہا۔ حضرت متوجہ ہوئے تھے۔ کہ حضرت مخدوم الملۃ مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ ڈانٹ کر مجھے بٹھا دیا۔ (اور میں اس ڈانٹ کی بہت عزت کرتا ہوں) اور حضرت کے دریافت کرنے پر عرض کر دیا۔ کہ میں سمجھا دوں گا۔ کچھ بات نہیں۔ دوسرے دن مجھے حضرت مخدوم الملۃ نے حضرت میر صاحب کے مناقب بیان کئے۔ منجملہ اُن کے

فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیٹی ام المومنین ہے۔ وہ طبیعت میں بے شک تیز ہوں۔ مگر بہت صاف باطن اور خیر خواہ ہیں۔ تم ان سے صلح کر لو۔ مجھے حضرت مخدوم الملۃ سے بہت محبت تھی۔ انکے کلام کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور میں نے ارادہ کیا۔ کہ جاکر حضرت میر صاحب سے معذرت کروں۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ خود تشریف لا رہے ہیں۔ اور بآواز بلند السلام علیکم کہہ کر مجھے پکڑ لیا اور اظہار محبت فرمایا۔ ایسی مثالیں متعدد ملتی ہیں۔ بغض اور تہاجر ان میں نہ تھا۔ ہاں غیرت دینی ایسی تھی۔ کہ اس کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

غیرت دینی

ان کے عزیزوں میں محمد سعید نامی ایک نوجوان تھا۔ بہت تیز مزاج اور نازک طبع تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کتب خانہ کا ابتداءً ناظم تھا۔ وہ اپنی شامت اعمال کی وجہ سے قادیان سے مرتد ہو کر چلا گیا۔ حضرت نانا جان نے کبھی اس کی طرف التفات بھی نہ کی۔ اور اگر کوئی شخص اس کا ذکر کرتا تو آپ سخت ناپسند کرتے۔ کہ وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو گیا۔ میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ میں اس کا نام بھی سننا نہیں چاہتا۔

پابندی نماز

ارکان دین کی پابندی آپ میں کامل درجہ کی تھی۔ نماز با جماعت کے ایسے پابند تھے۔ کہ آخری عمر میں جبکہ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ آپ نماز با جماعت پڑھتے تھے۔ اور کبھی اس میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے عمر کے آخری حصہ میں آپ کو مسجد میں گھر سے آتے جاتے دیکھا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ کس ہمت بلند کے آپ مالک تھے۔ طبیعت میں استقلال اور عزم تھا سب جانتے ہیں۔ کہ مسجد مبارک سے دور دارالعلوم میں رہتے تھے۔ مگر نمازوں میں شمولیت کے لیئے وہاں سے چلکر آتے تھے۔ یہ قابل رشک حصہ آپکی زندگی کا تھا۔

غرباء کے ساتھ محبت و ہمدردی

ایمان کے دو بڑے شعبے ہیں۔ تنظیم لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دونوں شاخوں میں صحیح اور قابل رشک حصہ دیا تھا۔ عبادات میں وہ ایک ذاکر شاغل درویش تھے۔ اور مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی کے لئے انکے دل میں درد تھا۔ اور ہمیشہ انھوں نے اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے کوشش کی۔ اور ان کاموں میں انہیں بہت لذت تھی۔ جو دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے ہوں۔ چنانچہ دار الضعفاء

ان کی ایک ایسی یادگار ہے۔ جو دنیا کے آخر تک ان کے نام کو زندہ رکھے گی۔ یہ اُن بہت سی کاموں میں سے ایک ہے۔ جو آپ نے رفاہ عام کے لئے سرانجام کئے۔ قادیان میں ابتداءً مکانات کی بڑی قلت تھی۔ اور سلسلہ کے غرباء کے لئے تو اور بھی مشکل تھی۔ جو کرایہ دینے کی مقدرت نہ رکھتے تھے اس ضرورت کا احساس کر کے انہوں نے جماعت کے غریب مہاجرین کے لئے کوٹھے بنانے کے لئے ایک تحریک شروع کی۔ حضرت نواب صاحب قبلہ نے اس کے لئے زمین دی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے اس کی بنا رکھی۔ اور آج وہ محلہ دور الضعفاء (ناصر آباد) کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت میر صاحب نے اس مطلب کے لئے جب چندہ کا آغاز کیا۔ تو ایک کاپی پر انہوں نے ایک پنجابی شعر لکھا۔ صحیح طور پر تو مجھے یاد نہیں۔ مگر قریب قریب یہی تھا ؎

ناگوں نہیں پر مر رہوں پیٹ بھرن کے کاج،
پر سوارتھ کے کام کو مانگتے مجھے نہ آوے لاج،

یعنے میں مانگنے کے مقابل میں مر رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔ پس اپنی ذات اور پیٹ پالنے کے لئے میں خواہ بھوکا مر جاؤں ہرگز نہیں مانگوں گا۔ لیکن رفاہ عام کا سوال ہو اور دوسروں کا بھلا ہوتا ہو تو اس مقصد کے مانگنے کے لئے میں قطعاً شرم محسوس نہیں کرتا۔

آپ کا یہ موٹو ان لوگوں کے لئے جو رفاہ عام کے لئے چندہ حاصل کرنے کے منصب پر مقرر ہیں۔ بہت ہی عمدہ نمونہ ہے۔ اس سے ان کی ہمت بلند ہوگی۔ اور ان کے اخلاص میں ترقی۔ اس سے حضرت میر صاحب کے **اخلاص** کی ایک جھلک نمایاں ہے۔ وہ خود ایک ایسے عظیم المرتبہ خاندان کی یادگار تھے۔ جن کو بعض نوابوں نے اپنی لڑکیاں دینا فخر سمجھا۔ اور پھر یہ خاندان دینی طور پر بھی **ممتاز** اور شہرت یافتہ تھا۔ اور اپنی ذات سے بھی ایک معزز عہدہ دار اور گورنمنٹ پنشنر تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ صہری تعلقات کی وجہ سے ان کی عزت اور شان اور بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر باوجود ان تمام کے وہ

لوگوں کی بھلائی اور خدمت کے لئے

چندہ مانگنے میں عار نہ سمجھتے تھے۔ اور حقیقت میں سیّد القوم خادمھم کا صحیح مفہوم انہوں نے اپنی عملی زندگی سے دکھایا۔

پھر اسی سلسلہ میں عام پبلک کے فائدہ کے لئے انھوں نے ایک ہسپتال کے لئے چندہ شروع کیا۔ اور چوہڑوں تک سے اس میں چندہ لیا۔ یہ ان کی بے نفسی اور اخلاص کی ایک مثال ہے۔ ان میں تفاخر اور تکلف اگر ہوتا۔ تو وہ کم از کم ایسے موقعہ پر ان لوگوں سے چندہ نہ لیتے مگر وہ جو کچھ کر رہے تھے۔ خدا کی مخلوق کے لئے۔ اور اس میں کوئی امتیاز ان کے نزدیک نہ تھا۔ وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی مخلوق سے بلا حیثیت عامہ کے فیضان کو پاکر تفریق نہ کرسکتے تھے۔ ہسپتال کے چندہ میں میں ایک لطیفہ لکھنے سے رُک نہیں سکتا۔ ایک دوست سے انھوں نے چندہ مانگا۔ وہ زیادہ دے سکتا تھا۔ مگر اس نے ایک پیسہ دیا۔ اور چند چوہڑوں نے ایک ایک روپیہ دیا۔ حضرت میر صاحب کو غیرت دلانا مقصود تھا۔ آپ نے ایک مختصر سی نظم لکھی جس کے آخر میں آتا تھا۔

چُوہڑا ایک روپیہ ...... ایک پیسہ

اس دوست کو احساس ہوا۔ اور آخر اس نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ غرض نہایت جفاکشی اور محنت سے ہندوستان و پنجاب کا دورہ کرکے انھوں نے دور الضعفاء، مسجد نور اور نور ہسپتال (ناصر وارڈ) تعمیر کرائے۔

اُنھوں نے ایک مجلس احباب بھی بنائی تھی۔ جس میں آٹھویں روز احباب جمع ہوتے۔ اور اپنے گھروں سے کھانا لاکر ایک دسترخوان پر بیٹھکر باہم ملکر کھاتے۔ اس میں سب کے سب غرباء اور کمزور لوگ داخل تھے۔ حضرت میر صاحب نہایت محبت و اخلاص کے ساتھ ان صفوں میں بیٹھتے اور اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ محبت سے کھانا کھاتے۔ وہ دن یاد آتے ہیں۔ تو دل پر ایک ٹھیس لگتی ہے۔ وہ شخص جو اپنے اعزاز و امتیاز میں تمام جماعت سے حضرت اقدس کے ساتھ نسبتی اخوت کے لحاظ سے معزز تھا۔ ایک غریب سے غریب بھائی کے پیالہ میں کھا رہا ہے۔

اخوت و ملت کی برقی لہریں ایک دوسرے کے وجود میں تدرتی تھیں۔ کوئی اگر بیمار ہو جاتا تو حضرت میر صاحب احباب کو لیکر اس کی عیادت کو جاتے۔ اور بعض اوقات جمعہ کے دن اپنے بھائیوں کے کپڑے دھونے کے لئے چلتے۔ وہ باتیں اس وقت اور آج بھی عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اس روح کو تلاش کریں۔ تو وہ کمیاب ہے۔ حضرت میر صاحب جماعت میں ایک ایسا جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے کہ

سب ایک وجود بن جائیں

اسی سلسلہ میں انہوں نے دعا کی۔ ایک مجلس قائم کی۔ قدرت ثانیہ کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ ان دعاؤں میں بھی ایک لذت تھی۔ غرض آپ اپنے بھائیوں کی ہمدردی انکی محبت و سعادت میں سرشار تھے۔ اور ان میں وہی رنگ پیدا کر دینا چاہتے تھے۔

رفاہ عام کا جذبہ

حضرت نانا جان میں یہ جذبہ خصوصیت سے قابل احترام تھا۔ کہ آپ ہر اس کام میں جو کسی حیثیت سے پبلک گوڈ (رفاہ عام) کا کام ہو۔ بہت دلچسپی لیتے تھے۔ اور جب تک۔ اس کام کو کر نہ لیتے تھے سُست [illegible] تے تھے۔ ان میں ایک عزم مستقلانہ تھا۔ الدار اور مسجد مبارک کے سامنے جو فرش لگا ہوا ہے [illegible] کی ہی ہمت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں اگر غور کیا جائے۔ تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کہ جہاں ہمارے سلسلہ کا لاکھوں روپیہ کا خرچ ہے۔ اور تعمیرات پر بھی آئے دن کچھ نہ کچھ خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور شہر میں پنچایت بھی ہے۔ مگر نہ تو سلسلہ کی کارکن جماعت کو اور نہ پنچایت کو یہ توجہ ہوئی کہ اس اہم اور ضروری مقام پر فرش لگا دینا چاہیئے۔ اس مقام پر جو آج مصفا اور درست نظر آتا ہے۔ ابتداءً کیچڑ وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور نالیاں نہ ہونے کی وجہ سے احباب کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ سب سے اوّل حضرت نانا جان نے اس طرف توجہ کی۔ اور اس میدان کی سطح کو درست کرنے کا کام شروع کیا۔ اور پھر نالیوں کے ذریعہ پانی کے نکاس کا انتظام کیا۔ اس کام میں حضرت نواب صاحب کی توجہ کا بہت بڑا دخل ہے۔ انہوں نے اپنے خرچ سے اسے درست کرایا۔ لیکن حضرت نانا جان نے اس کو درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور فرش لگا کر راستہ کو درست کر دیا۔ اس سے پہلے ہر شخص کی نظر اس کمی کو محسوس کرتی تھی۔ مگر وہ اس احساس سے آگے نہ جاتی تھی۔ حضرت نانا جان کا ارادہ یہ تھا۔ کہ وہ اس چوک اور بازار میں پورے طور پر فرش لگا دیں۔ لیکن بعض حالات اور تجاویز نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ فرش کے متعلق بعض لوگوں کا خیال تھا۔ کہ چونکہ گڈوں اور بگھیوں کی آمدورفت بکثرت ہے۔ اس لئے آئے دن یہ فرش ٹوٹتا رہے گا۔ اس سے بہتر ہے۔ کہ نہ لگوایا جائے۔ چنانچہ وہ نہ لگ سکا۔ اور ابتک اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مگر کوئی ناصر نواب کی روح کا آدمی کھڑا ہو تو امید ہے۔ اس ضروری اور خاص کوچہ اور چوک کا فرش مکمل ہو جائے۔ بڑی مسجد تک فرش کا یہ سلسلہ وسیع ہو چکا ہے

مگر یہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ جہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ وہاں درستی کی نوبت نہیں آتی۔ اللہ تعالےٰ نے چاہے گا۔ تو اس جذبہ اور فطرت کے کسی وجود کو کھڑا کر دیگا۔

اسی سلسلہ میں مجھے حضرت نانا جان کی ان کوششوں کا بھی ذکر کرنا ہے۔ جو آپ مساجد کے فرش کے لئے کرتے تھے۔ مسجد میں دریوں کا فرش سب سے اوّل حضرت میر صاحب نے بچھوایا۔ اور یہ خیال ان کے دل میں پیدا ہوا۔ کہ اس محترم مسجد میں دریوں کا فرش ہونا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے احباب سے چندہ کر کے دریوں کا فرش تیار کرایا۔

منبر بنوایا

مسجد اقصےٰ میں خطبہ کے لئے منبر نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں عام طور پر حضرت مولانا عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ یا حضرت حکیم الامۃ محراب کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور خطبہ دیتے تھے۔ اس وقت اتنی کثرت بھی نہ تھی۔ لیکن جب مسجد وسیع ہو گئی۔ اور لوگوں کی کثرت ہوئی۔ تو حضرت میر صاحب نے مسجد کے لئے منبر بنوایا۔ جو منبر اب تک ان کی نشانی اور یادگار ہے۔ جس مقام پر یہ منبر پڑا ہے۔ یہاں میر صاحب نے ہی اسے رکھوایا تھا۔ اس منبر سے **برکات خلافت** کا جو ظہور ہو رہا ہے۔ وہ سب جانتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کے حقایق و معارف کا ایک دریا کس طرح بہتا رہتا ہے۔ حضرت میر صاحب نے نہایت شوق اور بڑے اخلاص سے اسے تیار کرایا تھا۔

محنت وجفاکشی کی خصوصیات

حضرت نانا جان کبھی اور کسی حال میں سست اور بیکار نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اور نہیں رہے۔ وہ سلسلہ کا کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ اور اکثر کام ایسے ہوتے تھے۔ جو اوائل میں سطحی نظر والوں کے لئے موجب نقصان نظر آتے تھے۔

ڈھابوں کی بھرتی کا کام

یہ سب کو معلوم ہے۔ کہ جہاں آجکل مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ کی عمارت ہے۔ یہاں بہت بڑی ڈھاب تھی۔ حضرت نانا جان کی دور رس نظر نے سلسلہ کی ترقی اور ضروریات کو آج سے قریباً تیس برس پیشتر دیکھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان پیشگوئیوں کو سنتے تھے۔ جو قادیان کی ترقی کے متعلق تھیں۔ اور مشرق کی طرف آبادی کے بڑھنے کی قبل از وقت خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اطلاع کو انہوں نے

سنا ہے۔ سب سے پہلے اس پیشگوئی کو پورا کرنے میں حصّہ لینے کے لئے ڈھاب میں بھرتی ڈلوانی شروع کی۔ یہ بھرتی پڑ رہی تھی۔ کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے بعض رفقاء لاہور سے آئے اور انہوں نے یہ دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ کہ

میر صاحب سلسلہ کا روپیہ غرق کر رہے ہیں

اپنی اپنی نظر اور اپنا اپنا گمان ہے۔ میں نہیں کہتا۔ کہ ان لوگوں نے یہ اعتراض کس نیت اور کس خیال سے کیا۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ اعتراض کیا گیا۔ حضرت میر صاحب کی طبیعت بہت تیز تھی۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ انہوں نے برافروختہ ہو کر جواب دیا۔ کہ

"میں غرق کرتا ہوں۔ تو تم سے لیکر نہیں۔ حضرت صاحب کا روپیہ ہے۔ تم کون ہو۔ جو مجھ پر اعتراض کرتے ہو۔ جاؤ حضرت صاحب کو کہو"

میر صاحب کے اس جواب نے ان لوگوں کو خاموش کرا دیا۔ مگر وہ موقعہ کی تلاش میں رہے اور بالآخر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی کہدیا۔ مگر حضرت اقدس نے انکو یہی جواب دیا۔ کہ

میر صاحب کے کاموں میں دخل نہیں دینا چاہیئے،

میر صاحب سے ان لوگوں کی عداوت یا مخالفت کی یہ ابتداء ہے۔ بہر حال حضرت نانا جان نے بھرتیوں کے کام کو جاری رکھا۔ اس وقت بھرتی بہت سستی پڑتی تھی۔ روپوں کا کام پیسوں میں ہوتا تھا۔ مگر عقل کے اندھوں کو اس وقت ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ روپیہ تباہ کیا جا رہا ہے۔ مگر آج کون کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ روپیہ ضائع کیا گیا۔ بلکہ ہر شخص کو خواہ کیسا ہی دشمن سلسلہ ہو۔ اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت نانا جان نے اس وقت جو کام کیا۔ وہ ان کی فراست ایمانی اور نظر دور بین کو ثابت کرنے والا ہے۔ اور انہوں نے سلسلہ کی جائداد میں

بہت قیمتی اضافہ کر دیا

حضرت نانا جان کی یہ ابتداء آخر رنگ لائی۔ اور ہر شخص کو قدرتی طور پر خواہش پیدا ہوئی۔ کہ وہ اس حصہ میں بھرتی ڈالکر یا بالفاظ خواجہ صاحب روپیہ غرق کر کے اپنے لئے

تھوڑی سی جگہ بنا لے

ان بھرتیوں کی حقیقت آج ظاہر ہے۔ اور اسی ڈھاب میں عالی شان عمارتیں اسطرح زمین بنانے والے نامور نواب کے علم و تجربہ اور فراست کی داد دے رہی ہیں۔ اور لوگ خواہش کرتے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ کہ کاش اس طرح ہم کو بھی روپیہ غرق کرنے کی عزت یا سعادت نصیب ہوتی۔

حضرت میر صاحب قبلہ ایسی چیزوں سے کام لیا کرتے تھے۔ جو نکمی اور ردی سمجھی جاتی تھیں۔ اور جن کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی تھی۔ اسی سلسلہ میں گول کمرہ کے سامنے جو احاطہ ہے۔ میں اس کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گول کمرہ کے سامنے کوئی احاطہ نہ تھا۔ اور جس مقام پر حضرت نواب صاحب کی دو کانیں بنی ہوئی ہیں۔ وہ پرانی بنیادوں کی کچھ اینٹیں معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت میر صاحب نے کھدوا کر وہاں سے اینٹیں نکلوانی شروع کیں۔ وہ اینٹیں جو غیر ضروری طور پر زمین میں مدفون تھیں۔ نکالی گئیں۔ اور انکو بہتر مقام پر لگا کر حضرت میر صاحب نے گول کمرہ کے آگے ایک خوبصورت احاطہ بنا کر اُسے رہنے کے قابل بنا دیا۔ چنانچہ اب سب اُسے دیکھتے ہیں۔ کہ وہ ایک آرام دہ اور ضروری چیز ہے۔ مجھے یاد ہے۔ کہ جب حضرت میر صاحب وہاں سے اینٹیں نکلوا رہے تھے۔ اس وقت بھی بعض کوتاہ اندیش کہہ رہے تھے۔ کہ یہ کیا

لغو کام کر رہے ہیں

مگر سچ یہی ہے۔ حقیقت شناس ہی دلیر اظہار اپنجارت۔ غرض جب سے وہ قادیان میں آئے۔ تو انہوں نے اپنے خداداد علم اور تجربہ کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ اور اسے سلسلہ کی خدمت میں لگا دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں وہی

تعمیرات سلسلہ کے ناظم تھے

اور اس کام کو انہوں نے نہایت دیانت۔ درد اور اخلاص سے سرانجام دیا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں بھی کبھی عار نہ ہوتا تھا۔ اور نہ پیدل سفر کرنے سے پرہیز۔ نہایت کفایت شعاری سے وہ سلسلہ کے اموال کو جو ان کے ہاتھ میں ہوتے خرچ کرتے تھے۔ ایک دنیادار کی نظر میں اسے ذی حیثیت کہا جائے۔ مگر سچ یہ ہے۔ کہ ان اموال کے امین تھے۔

حضرت نانا جان نے جس دیانت اور امانت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔ وہ

ہمیشہ آنے والی نسلیں عزت سے یاد کریں گی۔ انہوں نے کبھی اپنے آرام کی پرواہ نہ کی۔ کڑکتی دھوپ میں نگرانی کر رہے ہیں۔ پسینہ سر سے لیکر پاؤں تک جا رہا ہے۔ برستی بارش میں اگر کوئی نقصان کا خطرہ ہوا ہے۔ تو کھڑے ہیں۔ اور کام کر رہے ہیں۔ ان کی یہ ہمت اور یہ فرض شناسی اور اموال سلسلہ کی دیانت سے خرچ کرنے کی مثال ہمارے لئے سبق ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ یہ تمام کام وہ آنریری طور پر کرتے تھے۔ کوئی معاوضہ ان کاموں کا دنیا کے کسی سکہ کی شکل میں لیا اور نہ خواہش کی۔

سلسلہ کی قلمی خدمت

حضرت میر صاحب قبلہ کو خدا تعالٰے نے ذہن رسا عطاء فرمایا تھا۔ اور آپ شاعرانہ فطرت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ آپ شاعر تھے۔ مگر آپ کی شاعری نے گل و بلبل اور زلف و کاکل کی پیچیدگیوں میں گرفتار ہونا کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ آپ جب بھی شعر کہتے۔ تو خدمت دین کے جوش اور شوق سے کہتے۔ اور ایسے کہتے جو اپنی سلاست کے ساتھ تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے۔

انجمن حمایت الاسلام لاہور کا جب نیا نیا دور شروع ہوا۔ لوگوں کو اس کی طرف قدرتی کشش تھی۔ اس کے سالانہ جلسے بڑی دھوم دھام سے لاہور میں ہوتے تھے۔ حضرت میر صاحب قبلہ بھی انجمن کے جلسہ میں شریک ہوئے۔ اور آپنے ایک نظم پڑھی۔

پھولوں کی گر طلب ہے تو پانی چمن کو دے ⁖ جنت کی گر طلب ہے تو زر انجمن کو دے

یہ نظم بہت پسند کی گئی۔ اور انجمن کو اس نظم کے وقت بہت سا روپیہ وصول ہوا اور حضرت نانا جان کے لئے الدال علی الخیر کفاعلہ کا موجب

میں اگر غلطی نہیں کرتا۔ تو حضرت نانا جان نے پبلک جلسہ میں یہ سب سے پہلے نظم پڑھی تھی۔ میں خود اسی جلسہ میں موجود تھا۔ نہایت جرأت اور مستقل مزاجی سے پڑھا۔

جن لوگوں کو کبھی کسی مجلس یا مجمع میں پہلی دفعہ لیکچر دینے کا اتفاق ہوا ہے۔ خواہ وہ بڑے سے بڑے عالم بھی کیوں نہ ہوں۔ بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ کہ گھبرا نہ گئے ہوں۔

مگر میر صاحب اس طرح اپنی نظم پڑھ رہے تھے کہ گویا وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اس سے ان کی قوت قلبی اور نفس مطمئنہ کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرا موقعہ حضرت میر صاحب کو جلسہ مذاہب میں اپنی نظم پڑھنے کا ملا۔ اس نظم میں جلسہ کے اغراض ومقاصد کو نہایت خوبی سے بیان کیا۔ اس کے بعد اپنی جماعت کے مختلف اجتماعوں پر آپ کو اپنی نظم سنانے کا موقعہ ملا۔ ان نظموں میں ہمیشہ پند ونصائح ہوتی تھیں۔

بعض نظمیں انہوں نے مظاہر قدرت پر بھی لکھی تھیں۔ اور ایک نظم آپ نے الصدق ینجی والکذب یہلک کے عنوان سے پنجاب گزٹ سیالکوٹ میں شائع کرائی تھی۔

یہ تو وہ زمانہ تھا۔ جب کہ حضرت نانا جان سلسلہ کے متعلق ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اس کے بعد ان پر دوسرا دور آیا۔ اور وہ اخلاص کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور اب انہوں نے سلسلہ کے تلخ اور دشنام دینے والے دشمنوں کے جواب کے لئے اپنے خداداد جوہر سے کام لیا۔ اور لدھیانہ کے ایک نہایت ہی گندہ دہن مخالف کے جواب کا تہیہ کیا۔

حضرت نانا جانؓ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کہ کوئی شخص سلسلہ کے خلاف انکے سامنے کوئی بات کہہ سکے۔ اور وہ اس کا جواب نہ دیں۔ اپنی شاعری سے بھی انہوں نے یہ کام لیا۔ لدھیانہ میں جیسا کہ اوپر کہا ہے۔ ایک سخت معاند رہتا تھا۔ اور لطف کی بات یہ ہے۔ کہ حضرت نانا جان کو ایک زمانہ میں اس سے محبت تھی۔ وہ اہلحدیث تھا۔ اور خود میر صاحب بھی اہلحدیث تھے۔ اور بوجہ اس کے نومسلم ہونے کے بھی عزت کرتے تھے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جب گندی مخالفت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ایک دو دشنام آمیز مثنویاں لکھ کر اپنے اندرونہ کا اظہار کیا۔

حضرت نانا جان نے، حضرت حسانؓ کا کام کیا

تو حضرت نانا جانؓ نے حسانؓ بن ثابت کا کام کیا۔ اور اس کے ہجو آمیز کلام کا جواب لکھا۔ اور ایسا لکھا کہ باید وشاید۔ بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ نانا جان نے ہجو کی ہے۔ مگر آپ کی یہ ہجو سب وشتم پر مشتمل نہ تھی۔ بلکہ مدافعت تھی۔ اور وہ بھی نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں۔ حضرت نانا جان کے ایسے کلام میں شاعرانہ نکات بھی ہوتے تھے۔ آپ کا کلام نہایت معقول اور قابل قدر ہوتا تھا۔

یہ آج سے قریباً تیس برس پیشتر کی بات ہے۔ اور جماعت میں ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی آج نئے ہیں۔ وہ ان حالات سے ہی واقف نہیں۔ بلکہ ان کو اس کلام کا پتہ بھی نہیں ملا اسلئے

ہیں ان کی ضیافت طبع کے لئے چند شعر اس کے درج کرتا ہوں۔

اک سگِ دیوانہ لدھیانہ میں ہے ⁂ آجکل وہ خرِ شتر خانہ میں ہے
مومنوں کا لاعن و طاعن بنا ⁂ کھل گیا سب اس کا تو مسلم بنا
شاعری پر اس کو اپنی ناز ہے ⁂ ہے وہ شاعر یا کہ پھکڑ باز ہے
اس کی بربادی کے ہیں آثار یہہ ⁂ دن بدن ہوگا زیادہ خوار یہ
گر نہ باز آیا تو ہووے کا ذلیل ⁂ اس پہ نازل ہوگا۔ ہر دم قہرِ ایل (الخ)

غرض حضرت نانا جان نے اسکے جواب میں ایک طویل نظم لکھکر مخالفین پر حجت پوری کی۔ اور اس کے خاتمہ پر ایک دُعا لکھی جس کے دو شعر یہ ہیں۔

اے خدا کر حق کو ظاہر زود تر ⁂ دور کر دنیا سے باطل کا اثر،
اپنے مرسل کی مدد کر اے خدا ⁂ دن ہمیں تو کامیابی کا دکھا،

حقیقتاً اگر غور کرو۔ تو یہ نظم اپنے اندر پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ اعدائے سلسلہ اور حضرت کی خلاف بدگو شاعر کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا تھا۔ وہ پورا ہؤا اور اپنی دعا کی قبولیت کے لئے جو بارگاہ خدا میں عرض کیا تھا کہ

اپنی نصرت سے ہمیں کر کامیاب ⁂ کر دعاؤں کو ہماری مستجاب

خدا تعالےٰ نے ان کی دعاؤں کو سنا۔ اور سلسلہ کی کامیابیوں کا ایک روشن زمانہ حضرت نانا جان رض کو دکھایا۔ اعدائے سلسلہ تباہ و برباد ہوئے۔ اور سلسلہ کے خادم اور مخلص کامیاب و بامراد ہوئے۔ غرض وہ دشمنان سلسلہ کا جواب نظم میں دینے کے لئے ایک شمشیر برہنہ تھے۔ اور بالمشافہ گفتگو کرتے ہوئے بھی کسی کو انکے سامنے یہ جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ بدگوئی کر سکے۔ کیونکہ وہ جواب دینے میں ادھار نہ رکھتے تھے۔ فوراً منہ پر جواب دیتے تھے۔

میں مانتا ہوں۔ انکے کلام میں حرارت ہوتی تھی۔ مگر یہ حرارت حق کی حرارت اور ایمانی غیرت کے نتیجہ میں ہوتی تھی۔ کہ وہ کسی بدگو سے سلسلہ کی بدگوئی نہ سن سکتے تھے۔

الغرض ان کا کلام پند و نصائح اور تحریک نیکی و سعادت دشمنوں کے ناپاک الزامات کے جواب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو انہوں نے بطور دُعا کے منظوم کیا۔ اور اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نانی اماں کے خصائل حمیدہ کا تذکرہ لکھا۔ اس وقت مجھے آپ کے کلام پر کوئی تبصرہ یا تنقید لکھنا مقصود نہیں۔ بلکہ اس میں ان کی جس اخلاقی شان کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا اظہار مقصود ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے کلام کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت میر صاحب کی ایک نظم کو آریہ دھرم میں بھی جگہ دی گئی۔

آریہ مقتول پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل کو (جو خدا تعالیٰ کا ایک زبردست نشان ہے۔) حضرت ناناجان نے نظم کیا۔ اور اسے شائع کیا۔ یہ کتاب عام طور پر بہت پسند کی گئی۔ اس کی زبان نہایت سلیس خیبر ہیں اور موثر ہے۔ بعض نادانوں نے حضرت میر صاحب کے کلام میں سختی کا احساس کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ انکی سختی کی حقیقت میں بیان کر چکا ہوں۔ ان کے ہر کلام میں سختی نہ ہوتی تھی۔ آئینہ حق نما کو پڑھو تو معلوم ہو گا۔ کہ کیسا لطیف اور موثر کلام ہے غرض آپ نے اپنے اس خداداد جوہر سے کام لیا۔ اور ؎

بیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے

کی عملی تصدیق کی۔

حضرت میر صاحب بہ حیثیت مناظر

حضرت میر صاحب قبلہ نے اپنی شاعری کو جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ خدمت اسلام اور صداقت سلسلہ تک محدود رکھا۔ اور یا مظاہرات قدرت کے اظہار میں خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی قدرت نمائیوں میں محو ہو کر ذوق ایمان پیدا کیا۔ یا اخلاقیات کی تعلیم دی۔ میں اسی کتاب میں انکے کلام کا کچھ اقتباس دوں گا۔ سلسلہ کے متعلق جو نظم آپ کہتے تھے۔ اس میں آپ کی شان مناظر بھی نمایاں ہوتی تھی۔ قدرت نے جہاں آپ کو جرأت اور شجاعت اور حق گوئی کے لئے پوری دلیری اور بے خوفی عطا کی تھی۔ وہاں آپ کا طریق استدلال نہایت صاف اور پُر معنے ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ کو پبلک مناظرہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یعنے مولویانہ شان سے آپ نے مناظرے نہیں کئے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ آپ نے بعض اوقات خط و کتابت کے ذریعہ تحریری مناظرہ کئے ہیں۔ ذیل میں آپکے ایک مکتوب کو محض اس غرض سے دیتا ہوں۔ کہ آپ کی قوت

استدلال اور طریق اتمام حجت کا اظہار کر کے آپ کی شان مناظرانہ کو نمایاں کر دوں۔ امید ہے یہ مکتوب انشاء اللہ نہایت موثر اور مفید ہوگا۔ یہ خط آج سے ۲۵ برس پیشتر لکھا گیا تھا۔ اور اپنے مخلص اور مکرم مخدوم کی چوتھائی صدی پیشتر کی تحریر کو زندہ رکھتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

از ناصر نواب با خریم مولوی محمد یوسف صاحب بعد سلام کے واضح ہو۔ کہ آپ کا دلخراش ظلم و جور سے بھرا ہوا خط پہنچا۔ جس کو پڑھ کر سخت افسوس ہوا۔ نہ فقط اس سبب سے کہ آپ نے ہمارے امام علیہ السلام کو برا بھلا لکھا ہے۔ بلکہ اس باعث سے بھی کہ امت محمدی کے علماء کا کہاں تک حال پہنچا ہے۔ جن میں نورانیت کے علاوہ معمولی انسانیت بھی نہیں رہی۔ اور ضد و تعصب کے پتلے بن گئے ہیں۔ یہی حال پیرزادوں اور مشائخ کا ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں کسی مجدد اور مصلح کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سلیم الفطرتی سے بالکل دور جا پڑے ہیں۔ صراط مستقیم عقل و دین سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ دل ایسے مسخ ہو گئے ہیں۔ کہ نور و نار اور گل و خار کی تمیز باقی نہیں رہی ہے۔ اس قدر لکیروں کے فقیر بنے ہیں۔ کہ فہم و فراست سے کام لینے کو گویا حرام سمجھتے ہیں۔ مُردوں کی تقلید پر ایسے اڑے ہیں۔ کہ زندوں کا کلام انکے مرے ہوئے دلوں میں اثر ہی نہیں کرتا۔ قرآن و حدیث طوطے کی طرح پڑھتے ہیں۔ غور و تدبر ہرگز نہیں کرتے۔ بلکہ غور و تدبر پچھلوں کا حصہ خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو معنے قرآن و حدیث کے پچھلے بزرگوں نے سمجھے۔ خواہ وہ غلط ہوں یا صحیح انہیں پر چلنا ہمیں کافی ہے۔ جس طرح قرآن و حدیث کو وہ بزرگ سمجھ گئے ہیں۔ وہی اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے۔ اب آیندہ انکے برخلاف جو کوئی اور معنے کریگا۔ وہ معنے غلط اور وہ شخص گنہگار ہوگا۔ پھر پچھلے بھی صحابہ نہیں تابعی نہیں۔ بلکہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تین سو برس بعد پیدا ہوئے۔ جن کے حق میں حضرت فرما گئے ہیں۔ فیج اعوج لیسوا منی ولست منہم کیونکہ یہ تمام تفاسیر جن پر علماء کا بڑا مدار ہے۔ خیر القرون کے بعد بنی ہیں۔ اور اکثر احادیث کی کتابیں بھی مدت کے بعد تصنیف ہوئی ہیں۔ اور ان کی شرحیں تو بہت ہی بعد میں گھڑی گئی ہیں۔ مفسرین اور

محدثین ان کے نزدیک خدا و رسول سے کچھ کم نہیں ہیں۔ جن تفاسیر پر ان کا اعتماد ہے۔ ان کا یہ حال ہے کہ الف لیلہ۔ طوطا کہانی مہا بھارت و قصۂ امیر حمزہ سے بھی زیادہ ان کے بعض اقوال فضول ہوتے ہیں۔ جن کے پڑھنے اور سننے سے ایک مسلمان کو شرم آتی ہے۔ مگر ان کے نزدیک وہ سب اقوال صحیح ہیں۔ کیونکہ بڑے بڑے فرما گئے ہیں۔ انہی تفسیروں میں بعض انبیاء کو حرام کار اور مکار بھی لکھا ہے اور بعض کو مشرک بھی قرار دیا ہے۔ ایسے ایسے من گھڑت قصے تفاسیر میں درج ہیں۔ کہ جن کے ذکر سے حیاء دامنگیر ہوتی ہے۔ مگر یہ مولوی ممبروں پر چڑھ کر وہی لغو قصے آجکل بھی لوگوں کو سناتے ہیں۔ اور مخالفین کو اسلام پر ہنساتے ہیں۔ اور اس پاک مذہب سے غیر قوموں کو متنفر کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی حال بعض احادیث کی کتابوں کا ہے۔ اور ان کی شرح کا تو کچھ کہنا ہی نہیں جن کے پڑھنے سے اور بغیر صحیح معنے سمجھنے کے جس کا علم ان علماء میں آجکل مفقود ہے۔ انسان شیطان بن جاتا ہے۔ اور اسلام سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اور جو صحیح معنے کرے۔ وہ بقول ان کے کافر ہے۔ جیسے ہمارے امام علیہ السلام مفسرین ایک ایک آیت کے بغیر سند کے سو سو معنے کرتے ہیں۔ جن سے سننے والا حیران ہو جاتا ہے۔ کہ ایک کس معنے پر اعتبار کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ط اور مفسرین کو بغیر اختلاف کثیر کے صبر ہی نہیں آتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

محدثین بھی احادیث کے تسلی بخش معنی نہیں کرتے جس سے کسی کو پورا اطمینان ہو اور ثلج قلب سے قبول کرے۔ ایک طرف تو مولوی کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے خاصے کسی بشر میں نہیں ہوتے اور جو اللہ تعالیٰ کے خاصے ہیں۔ وہ اگر کوئی شخص کسی بشر میں تسلیم کرے۔ تو وہ مشرک ہے۔ اور کافر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے حی و قیوم ہیں۔ خالق ہیں۔ محی ہیں۔ شافی ہیں۔ عالم الغیب ہیں۔ وغیرہ۔ مزا یہ کہ اس کو قرآن شریف سے ثابت کرتے ہیں۔ اور جو نہ مانے وہ کافر۔ خلاصہ یہ کہ خدائی خاصہ اگر کسی بشر میں سوائے عیسٰے کے کوئی مانے تو کافر مشرک۔ لیکن اگر عیسٰے میں خدائی خاصہ تسلیم نہ کرے۔ تو کافر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

ان علماء نے حضرت عیسٰے کو لیس کمثلہ شئی بنا رکھا ہے۔ پیدا ہوتے ہی باتیں کرتے تھے۔ مس شیطان سے ان کے سوا کوئی نہیں بچا وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان مثل عیسٰے

عند اللہ کمثل آدم۔ مولوی کہتے ہیں۔ عیسٰے بے مثل و مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں آدم سے نرالی کوئی خصوصیت نہیں بتلائی۔ یہ اپنے گھر سے ان میں پیدا کرتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ مس شیطان کے معنے ہی ان مولویوں کی سمجھ میں نہیں آئے۔ لفظ پرست موٹی عقل کے ہیں۔ کسی کے چھونے سے کیا بگڑتا ہے۔ اور شیطان کیا آدمی کی طرح جسم رکھتا ہے۔ کہ بچے کو ہاتھ لگا دیتا ہے۔ بلکہ مس شیطان سے اس کی وسوسہ اندازی مراد ہے۔ جس سے دین وایمان میں فرق آتا ہے۔ اب بقول علماء کے حضرت عیسٰے کے سوا تمام انبیاء و اولیاء حتٰے کہ خاتم النبیین شیطان کی وسوسہ اندازی سے نہیں بچے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور صریح بے ایمانی ہے۔ ان باتوں سے علماء کی قرآن دانی اور حدیث فہمی کی قلعی خوب کھلتی ہے۔ انہیں علماء نے اپنی غفلت لاپروائی ناقص العلمی و بدمزاجی کے سبب سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو ورطۂ ضلالت میں ڈالا۔ اور عیسائی ہونے پر مائل کر دیا۔ اور ان کے اعتراضوں کے جو شیطان کے بہکانے سے انہوں نے پیش کئے شافی جواب نہ دیئے۔ علاوہ حضرت عیسٰے کے شریک باری بنانے کے دجال کو بھی خدائے ثانی بنا دیا ہے۔ اس کا گدھا اتنا لمبا چوڑا ہے۔ کہ گدھے کا بچہ کبھی اس قدر ہوا نہ ہوگا۔ یہ گدھے اس قدر نہیں سمجھتے کہ گدھا بھی کبھی ایسا ہوا ہے۔ کہ جس کے ایک کان سے دوسرے کان تک ستر گز کا فاصلہ ہو استعاروں کو ظاہر پر حمل کر کے آپ بھی اُلّو بنتے ہیں۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی بناتے ہیں جس کے ایک کان سے دوسرے کان تک ستر گز کا فاصلہ ہوگا۔ اس کی بلندی اور درازی کس قدر ہوگی۔ پھر اس کا سوار بھی اسی قدر لمبا چوڑا چاہیئے۔ کہ جو اس کو قابو میں لا سکے۔ جب یہ اعتراض سنتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ حدیث میں یونہی آیا ہے۔ تم بے دین ہو کہ حدیث کو نہیں مانتے ہم تو بے دین نہیں۔ مگر وہ اسلام کے چھپے دشمن اور عقل کے اندھے ہیں۔ جو کانے دجال کو خدا بنا رہے ہیں۔ دجال کے دوزخ جنت اور روٹیوں کے پہاڑ اور دریاؤں کے اس کے ساتھ چلنے کو چالیس روز میں اس کے دنیا کے گرد گھومنے کو ظاہر پر حمل کر بیٹھے ہیں۔ جس سے اسلام نہیں رہتا۔ اور نہ قرآن سچا ٹھیرتا ہے۔ اور نہ عقل سلیم ان امور کو باور کرتی ہے۔ یہ علماء ہیں۔ جو اصل میں جہال ہیں۔ عقائد تو خود کافروں سے رکھتے ہیں۔ لیکن اوروں کو بزعم خود کافر سمجھتے ہیں۔ آجکل یہ نائب رسول اللہ باقی رہ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کے وجود نامسعود سے جہان کو پاک صاف کری شعر

گر ہمیں مکتب است وایں ملا ۔ کار طفلان تمام خواہد شد

فرماتے ہیں۔ کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنوں سے انحراف جائز نہیں ہے۔ من کان فی
ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ کے معنے بقول انکے یہ ہوئے۔ کہ اندھا دیدار الٰہی سے
محروم رہے گا۔ اور صراط مستقیم بموجب انکے ظاہری معنوں کے کلکتہ سے پشاور کو جو سڑک جاتی
ہے۔ اس کا نام ہے یا مکہ سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے۔ اس کو کہنا چاہیئے۔ یہ کجرو چونکہ الٰہی
صراط مستقیم پر خود نہیں چلتے۔ اوروں کو کب چلا سکتے ہیں۔ چونکہ صراط مستقیم نظری ہے۔ اس
لئے ان ظاہر بینوں کو نظر نہیں آتی۔ اس لئے تعجب نہیں کہ اس سے منکر ہوں۔ اسی ظاہر
پرستی کے سبب سے یہ ظاہر پرست ملا دعائیں مانگ رہے تھے۔ کہ یا الٰہی عیسےٰ علیہ السلام جلدی آسمان
سے نزول فرمادیں۔ اور مہدی موعود ظاہر ہوں۔ تاکہ ہم اس مفلسی ومحتاجی سے رہائی پادیں۔
اور تمام کفار کو مار کر ان کی دولت لوٹ لیں۔ اور ان کے اموال سے اپنے گھر بھر لیں۔ اب جو
عیسےٰ کا نزول ہوا اور مہدی موعود نے ظہور فرمایا۔ تو ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ کیونکہ ان کے
موہوم طریق کے موافق ان کا نزول نہ ہوا۔ بلکہ عادت اللہ کے موافق ان کا ظہور ہوا۔ اب جو دینی
دولت دینے والا آیا۔ تو کھسیانے ہو کر لڑتے ہیں۔ اور ظاہری دولت کے لئے آہ وفغاں کرتے
اور اپنے نصیبوں کو روتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ظاہر سے نصوص کو کیوں پھیرا جاتا ہے۔ کہ جس
سے ظاہری دولت ہاتھ سے جاتی ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

حیلہ سازی۔ دہوکہ دہی۔ تفریق بین المسلمین۔ بغض۔ حسد۔ الفاظ پرستی۔ کج بحثی۔ ریا۔ سمع اس کے
سوا آجکل کے مولویوں اور پیرزادوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ الا ماشاء اللہ کوئی شاذ ونادر بھلامانس
ہوگا۔ وہ یا اس طرف آگیا یا بزدلی سے خاموش بیٹھا ہے۔ یہ تو بطور تمہید کچھ عرض کیا گیا ہے۔
اب آپ کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

قولک۔ اب تک آپ پر آپ کے امام کی مکاری کا حال نہیں کھلا۔ اب آپ توبہ کیجئے۔
اور اس شخص سے بھی توبہ کرائیے۔

اقول۔ میں اور میرے امام تو اکثر توبہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ اور لوگ اطراف سے توبہ

کرنے کے لئے آتے ہیں۔ انہیں بھی امام علیہ السلام توبہ کراتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج تک ہمارے امام کے ہاتھ پر ہزاروں لوگوں نے توبہ کی ہے۔ مگر بقول شخصے۔ ع

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند،

تم افترا پردازی اور دروغ گوئی سے کیوں توبہ نہیں کرتے۔ مرد خدا تم نے ہمارے امام کو مکار کس طرح سمجھا ان کی کسی کتاب سے یا ان سے ملکر آج تک تم نے ہمارے امام کی زیارت تک تو کی نہیں بغیر ملے بغیر کلام کئے بغیر تحقیق کسی کو مکار کہنا یہ متقیوں کا کام نہیں۔ بلکہ مفتریوں کا کام ہے۔ زبان کی فضولیوں سے بہت سے لوگ جہنم میں منہ کے بل گرائے جاویں گے۔ میں اندیشہ کرتا ہوں۔ کہ کہیں تم بھی انہیں میں نہ بن جانا۔ اگر کسی کتاب سے تم نے اپنے بئس القرین کے اغواء سے انہیں مکار قرار دیا ہے۔ تو تم اس کا حوالہ دیتے۔ تاکہ ہم غور کرتے۔ اور تمہیں معقول دلائل سے سمجھاتے۔ مگر تمھارے زبانی ہفوات کا جواب بجز لعنت اللہ علے الکاذبین کے سردست اور کچھ نہیں۔ آیندہ اگر تم نے کسی کتاب کا حوالہ دیا تو دیکھا جاویگا۔ شعر

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ٭ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار ٭

قولہٗ۔ اب وہ اپنی تحریف قرآنی اور بے موقع تاویل احادیث سے باز آویں۔ قیامت آنے والی ہے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

اقول۔ تحریف کرنا اصل میں یہود کی صفت ہے۔ اور ہمارے ہادی خاتم النبیین نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں مسلمان یہودی بن جاویں گے جس سے مراد علماء اسلام ہیں۔ کیونکہ جہاں یہود کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہاں بھی علماء یہود مراد ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے گدھا بھی فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ کتابوں سے لدے ہوئے تھے۔ اور عمل نہیں کرتے تھے۔ یہود کی مذمت بطور قصہ کہانی کے نہیں۔ بلکہ بطور پیشگوئی کے ہے۔ کہ جس طرح یہود اپنے آخر زمانہ میں نہایت بگڑ گئے تھے۔ اسی طرح مسلمان علماء بھی آخر بگڑ جائیں گے جس طرح یہود نے تحریف کی تھی۔ اسی طرح یہودی صفت مسلمان بھی تحریف کرینگے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہود کی ریس میں .... سے بھی زنا کر کے چھوڑیں گے۔ سو یہ سب کرتوتیں مولویوں کی ہیں۔ جو قرآن کی نظم کو بگاڑ کر انی متوفیک و رافعک کو آگے پیچھے کر کے حضرت عیسےٰ کو آسمان پر زندہ پہنچاتے ہیں۔ اور رفع کے معنے رفع جسمانی کے کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ہمارے

حضرت تو با موقع تاویل احادیث کی فرماتے ہیں۔ مگر تمہارا تو یہ حال ہے۔ کہ مصرعہ خود غلط املا غلط۔ انشا غلط۔ تقلید کی مار کے سبب سے جو اُلٹی باتیں ذہن نشین ہو چکی ہیں۔ وہ سیدھی معلوم ہوتی ہیں۔ جو اصلی اور سیدھا راستہ دکھاوے۔ وہ اُلٹا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے بخار والے کا مُنہ اصل میں کڑوا ہوتا ہے۔ وہ مصری اور شہد کو بھی کڑوا بتاتا ہے۔ اپنے مُنہ کی خبر نہیں۔ لیکن اصل یہ ہے۔ کہ بیمار کی عقل بھی بیمار ہوتی ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں آج کل کے مولوی فرق نہیں کرتے۔ جب دعوے پر دلیل مانگو۔ تو ایک اور دعویٰ پیش کر دیتے ہیں۔ جب اس پر دلیل طلب کرو۔ تو ایک اور دعوے پیش کر دیتے ہیں۔ اگر تیسری دفعہ بولو۔ تو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح اوہام میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جب کسی ہندو سے سوال کرو۔ کہ گنگا اور جمنا کا پانی کیوں متبرک سمجھتے ہو اور گنگا میں غوطہ لگانے سے گناہ کس طرح دُور ہو جاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ گنگا جمنا میں ایسی خاصیت ہے۔ اور اگر کہو کہ یہ خاصیت کیوں ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہمارے بزرگ جو فرما گئے۔ اور اگر کہو کہ تمہارے بزرگ بھی تمہارے جیسے آدمی تھے۔ ممکن ہے۔ کہ انہوں نے غلطی کی ہو۔ تو گالیاں شروع ہو جائیں اور ہزیان بکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بولو تو فوجداری اور پھر کسی نہ کسی کو جیلخانہ۔ کیونکہ جہالت کا نتیجہ تو جیلخانہ ہی ہونا چاہیئے۔ مولویوں کو جب کچھ اختیار تھا۔ تو ہزاروں خون کرائے تھے۔ اور آپس کی ضد میں قرآن اور حدیث کو پھونک دیتے تھے۔ اب بھی ادنےٰ ادنےٰ اختلاف پر بھیریوں میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ کیا وہ مولوی نہیں تھے۔ جنہوں نے امام حسین کے لئے بغاوت کا فتویٰ تجویز کیا تھا۔ اور وہ بھی مولوی تھا جس نے امام احمدؒ حنبل جیسے بزرگ امام کو پٹوا کر قید میں ڈلوایا تھا۔ اور وہ بھی مولوی تھا جس نے حضرت عبدالقادر جیلانی کو شیطان کہا۔ اور ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور وہ بھی مولوی صاحب ہی تھے۔ جنھوں نے مجدد سرہندی صاحب کو ناگفتنی باتیں کہیں۔ جہانگیر نے ان مولویوں کے شبہ سے اس امام کو گوالیار میں قید کیا تھا۔ کہاں تک شمار کروں۔ امام غزالی کی تصنیف ملاحظہ کرو تاکہ مولویوں کی کرتوتیں معلوم ہوں۔ مولوی صدیق حسن خان صاحب کا حال تو تمہیں اچشم دید ہے۔ قیامت کے نزدیک ہونے میں کیا شک ہے۔ سب سے بڑی نشانی تو مولویوں کا یہود مثل ہو جانا ہے۔ جس مولوی کو دیکھو اُسے یہودی پاؤ گے۔ الاماشاءاللہ اور جمل اسقاؤا کا مصداق دیکھو گے۔ اب بتاؤ۔ کہ محمدی یہود کی اصلاح کے لئے محمدی مسیح چاہیئے۔ یا موسوی مسیح۔ غور کرو۔ اُمت محمدی میں ہزاروں یہود پیدا ہو گئے۔

عیسے ابنک ہوسکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اور بھی بہت سے نشان ہیں۔ جن سے قیامت نزدیک معلوم ہوتی ہے۔ یاجوج ماجوج جن کو مولوی ہرگز نہیں بتلا سکتے۔ کہ کہاں رہتے ہیں۔ ہم نے آنکھ سے دیکھ لئے اور ان کی فتوحات کو بھی سُن رہے ہیں۔ ابھی چین کو ناچ نچا دیا تھا کوئی ایسی بلندی نہیں جس پر وہ غالب نہ آگئے ہوں۔ اور نہ کوئی ایسی ریاست ہے۔ جو ان کی مغلوب نہ ہو۔ دجّال کو ہم نے دیکھ لیا۔ کہ سوائے مکہ مدینہ اور تمام جہان میں اس کا دورہ ہو رہا ہے۔ اور اکثر ناقص العقل انکے دین مذہب میں شامل ہو رہے ہیں۔ اور اس کی روٹیوں کے پہاڑ میں سے حصّہ لے رہے ہیں۔ اس کا گدھا بھی تمام ملک میں گشت کر رہا ہے۔ ہم خود کئی بار کرایہ دیکر اس پر سوار ہو چکے ہیں۔ حج بند ہوا۔ طاعون بھی نمودار ہے۔ قحط بھی موجود ہے۔ اخبار اور رسالے بھی اُڑتے پھرتے ہیں۔ اونٹ بھی بیکار ہو گئے ہیں۔ زمین بھی قریباً کل آباد ہو گئی ہے۔ نہریں بھی دریاؤں کو چیر کر نکالی گئی ہیں۔ سود۔ وشراب کا بھی رواج بکثرت ہے۔ زنا اور اس کے نتائج سوزاک اور آتشک بھی ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسیح و مہدی بھی موجود ہیں۔ دعوٰی فرما رہے ہیں۔ ان کے منکر بھی انکار کر رہے ہیں۔ لوگ رفتہ رفتہ مانتے بھی جاتے ہیں۔ اگر تلوار کا ڈر نہ ہوتا۔ تو ہمارے مہدی کو مولوی ضرور مار ڈالتے۔ زمینی اور آسمانی نشان بھی مہدی و مسیح کی نصرت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رمضان میں چاند گہن کی اوّل شب میں چاند گہن ہوا۔ اور سورج گہن کے درمیانی دن میں سورج گہن ہوا۔ مرزا احمد بیگ و عبداللہ آتھم و پنڈت لیکھرام پشاوری موافق پیشگوئیوں کے انتقال کر گئے۔ محی الدین ساکن لکھو کے غلام دستگیر قصوری۔ مولوی اسمٰعیل علی گڑھی خود ہی مباہلہ کر کے ایک سال کے اندر گذر گئے۔ جلسۂ اعظم لاہور میں جیسا کہ قبل از وقت ہمارے امام نے اشتہار دیا تھا۔ کہ ہمارا مضمون بالا رہے گا۔ وہ باتفاق موافق و مخالف بالا رہا۔ وغیرہ باوصف ان سب نشانوں کے جاہل اور کور باطن غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔ ان کا جگانا ہمارا یا ہمارے امام کا کام نہیں۔ بلکہ اللہ جلشانہ کا کام ہے۔ وہی جگا جگا کر دور دراز ملکوں سے خلقت کو قادیان میں بھیج رہا ہے جن کے نصیب اچھے ہیں۔ وہ آتے جاتے ہیں۔ جو مردود ازلی ہیں۔ وہ دور ہی سے بیٹھے گالیاں دیتے ہیں۔ اور غوغا کرتے ہیں۔ ایسے نالٰیوں کی تو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ خوبیٔ فی السعیر جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھا ہے۔ وہ ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔

لہ عیسیٰ ابھی تک نبی ہیں۔ پھر بھی منکر ختم نبوت اور خود بھی ختم نبوت کے منکر ہو گئے۔ ختم نبوت کا قرآن میں ذکر نہیں۔

اور رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آوے۔ بقول تمہارے توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن حق کے قبول کرنے کے لئے خدا تعالیٰ تمہارے دل بھی کھول دے۔ یہ دعا مانگا کرو۔ ورنہ کروڑوں روپے شہروں میں موجود ہیں۔ لیکن جن کے ہاں فاقہ ہے۔ انہیں وہ کروڑوں روپیہ کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ٭

طلب کرو سچا طلب کرنے والا محروم نہیں رہتا۔

قولہ۔ آپ کے امام خود اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔ کہ ہمارا نیا فرقہ ہے۔ یہ خود اپنے بدعتی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن ہمارا تو نیا فرقہ نہیں۔ بلکہ ہمارے تو وہی عقائد ہیں۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ جو صحابہ و تابعین و صلحاء دین کا اعتقاد تھا۔ وہی ہمارا عقیدہ ہے۔ لیکن آپ کے امام کا اعتقاد نیا ہے۔ اور محدث ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ غور کریں۔ اور اس عقیدہ جدید سے باز آئیں۔

اقول۔ کفار مکہ بھی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر یہی اعتراض کرتے تھے۔ کہ تم نے نیا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور پرانا مذہب بت پرستی جو آبائی مذہب تھا۔ اُسے چھوڑ کر بدعتی بن گئے ہو۔ کفار مکہ اپنے مذہب کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ابراہیم تو مشرک نہیں تھا۔ یہ تو بالکل جھوٹ ہے۔ کہ ہم مسلمان نہیں۔ یا تم مسلمان نہیں۔ بے شک تم بھی مسلمان کہلاتے ہو۔ اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ مگر تمہاری مسلمانی کو پھپھوند لگ گئی ہے۔ اور اس پر جا بجا کائی جم گئی ہے۔ اور اس پر گرد و غبار جم گیا ہے۔ اور سچے اصولوں کو تم نے بھلا دیا ہے۔ اور بجائے اس کے خیالات خام کو دخل دے دیا ہے۔ اور یہ خرابی بعد خیر القرون کے شروع ہو کر رفتہ رفتہ اسلام کو بدنما بناتی رہی ہے۔ اگرچہ درمیانی زمانوں میں مصلح اور مجدد آئے لیکن اصلاح خاص اور مقامی اصلاح تھی۔ اور کمزور تھی جس کا اثر پھر تھوڑی مدت میں زائل ہوتا رہا۔ اور خرابیاں روز افزوں ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ تیرھویں صدی میں رہی سہی برکت اسلام کی اور شوکت مسلمانوں کی جاتی رہی۔ اور اسلام جان کندن تک پہنچ گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے بموجب اپنے وعدہ اور اپنے رسول کی اطلاع کے ہمارے مسیح اور

مہدی کو دنیا میں نازل فرمایا۔ اور اس نے بحکم آلہی تجدید اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ اب اسلام نیا اسلام لوگوں کو نظر آنے لگا۔ جیسا کہ ایک جان بلبب مدت کا بیمار اچھا ہو کر اور توانا ہو کر نیا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ گو کہ اصل میں وہی پرانا شخص ہوتا ہے جس نے نئی زندگی حاصل کی ہوئی ہوتی ہے۔ ہمارا اسلام وہی پرانا اسلام ہے۔ لیکن بسبب اس کے کہ پرانا اسلام اُٹھ گیا تھا۔ اور ثریا پر چلا گیا تھا۔ اور ہمارے امام اسے ثریا سے پھر اتار کر لائے ہیں۔ اب وہ نیا اسلام کہلانے کا بھی مستحق ہے۔ باوصیکہ کلام آلہی قدیم ہے۔ لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اترا تو اس اُترنے کو نیا خود قرآن شریف نے فرمایا۔ جب محدث صفت قرآن ہے۔ تو ہمارے فرقہ کو محدث یعنے نیا فرقہ کہلانا فخر ہے نہ عیب۔ پرانے عقائد کو علماء نے رفتہ رفتہ بگاڑ دیا تھا۔ ہمارے امام نے نئے طور پر انہیں عقائد کو اصلاح کر کے پیش کیا ہے۔ ایک طرح وہی پرانا اسلام ہے۔ اور دوسری طرح بے شک نیا بھی ہے۔ یوں سمجھو کہ اسی پرانے اسلام پر نئی قلعی کر دی ہے۔ جس کو تم نے مَیلا کر دیا تھا۔ اب بھی تسلی ہوئی یا نہیں۔

قولك۔ جب کوئی ایسی بات ہوتی ہے۔ کہ آپ کے امام کو جواب نہیں آتا۔ تو حکام کی طرف التجاء کی جاتی ہے۔

اقول۔ مارنے کے ہاتھ پکڑے جاتے ہیں۔ لیکن جھوٹے کی زبان نہیں پکڑی جاتی۔ آج تک کبھی ایسی نوبت نہیں آئی۔ کہ مولویوں نے کوئی دینی سوال کیا ہو اور ہمارے امام کو جواب نہ آیا ہو۔ اور پھر سرکار میں عرضی دی ہو کہ سرکار مجھے جواب نہیں آتا۔ گورنمنٹ کوئی معقول جواب ان مولویوں کو میری طرف سے دے۔ یہ کام تو پادری بھی نہیں کرتے۔ جو خود گورنمنٹ کے ہم مذہب ہیں۔ ایسی خام باتیں آپ سے خام خیالوں کو سوجھتی ہیں۔ اگر یہ کہو کہ بعض بدمعاشوں کی ہمارے امام نے گورنمنٹ میں شکایت کی تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ انتظام کے معاملہ میں کسی مفسد ڈاکو یا شریر کے حال سے سرکار کو اطلاع دیکر حفاظت طلب کرنا دینی دنیوی قانون کے برخلاف نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی چور کو اپنے یا کسی متموّل شخص کے مکان کے گرد پھرتا دیکھے۔ اور احتمال ہو کہ نقب زنی کے ارادے سے تاڑتا ہے۔ تو اگر پولیس میں رپورٹ کر دے۔ تو کیا حرج۔ یہ تمہارے نزدیک توکل کے برخلاف ہے۔ یا اس میں کوئی کمزوری پائی جاتی ہے۔ یہ تو ظاہری انتظام ہے۔ اور دور اندیشی

میں داخل ہے۔ البتہ یہ باتیں جب تمہیں پہنچتی تھیں۔ کہ ہمارے امام کے دعاوی اور دلائل کو عقل اور نقل سے رد کر دیتے اور وہ تم سے عاجز ہو جاتے۔ اور ان سے کچھ نہ بنتا۔ اور وہ تم سے سرکار میں عصیاں دیکھتے پیچھا چھوڑاتے۔ اب تو اس کے برخلاف تمہیں ہر طرح زیر مواخذہ ہو۔ قرآن کی رو سے وہ سچے حدیث کی رو سے وہ سچے عقل ان کے موافق نقل انکے مطابق قرآن تمہیں جھٹلاتا ہے۔ حدیث تمہیں ہراتی ہے۔ عقل تمہیں دھکے دیتی ہے۔ پچاس ساٹھ کتابیں ہمارے امام نے اپنے دعاوی اور ان کے دلائل میں اردو فارسی۔ عربی میں تصنیف فرمائیں۔ اور شائع کیں۔ جن میں سے اکثر کی ایک ایک کاپی تمہیں بھی اس عاجز نے اتمام حجت کے لئے بھیجدی جس کو تم نے اور تمہارے دوست مولویوں نے مطالعہ کیا ہوگا۔ لیکن تم ایماناً کہو کہ تم نے بھی کبھی بجز چند اک گالیوں کے کوئی معقول جواب ان کتب میں سے کسی ایک کا بھی دیا۔ ہمارے امام نے تمام جہاں کے علماء کو اشتہار دیا۔ کہ تم مجھ سے مباحثہ کر لو۔ مباہلہ کر لو۔ مقابلہ میں کوئی کرامت دکھاؤ۔ قبولیت دعا کا کوئی نمونہ پیش کرو۔ عربی میں کہیں سے قرآن شریف کی تفسیر لکھو۔ اور صاف طور پر پیشگوئی بھی کر دی تھی۔ کہ تمام مخالف علماء مجھ سے مباحثہ مباہلہ عربی تفسیر نویسی واستجابت دعا و کرامت نمائی میں ہار وگے۔ اور تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ آجتک تو یہ قول ہمارے امام کا صحیح نکلا۔ اور آیندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ صحیح نکلے گا۔ تم کو قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی کہ تم اور جو تمہارے حمایتی بھوپال میں ہیں۔ ہمارے امام کے مقابلہ پر آؤ۔ جس طرح تم سے ہو سکے زور لگاؤ۔ مگر تم کبھی کامیاب نہیں ہونے کے۔ تم میں نہ اسلامی غیرت ہے۔ نہ اسلامی جوش نہ تقویٰ نہ طہارت اصل یہ کہ تمہارے ساتھ خدا نہیں۔ اور تمہارا ایمان پرانا ہو گیا۔ اور سے گھن کھا گیا ہے۔ تم میں نہ نور ہے نہ اسلامی برکت ہے۔ عورتوں کی طرح کوسنا آتا ہے۔ سو تم پانی پی پی کر اور گود پھیلا پھیلا کر کوسو گالیاں دو۔ اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرو۔ عنقریب معلوم ہو جائے۔ کہ سچا کون ہے۔ اور جھوٹا کون ہے۔ مگر فتح مکہ کے بعد جو مسلمان بھی ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر قبیلہ بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مرتد ہوگئے تھے۔ نیک مسلمان اور مقبول وہی تھے۔ جو غربت اسلام کے وقت اسلام لائے اور جنہوں نے ابتداء میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو پہچانا صبح صادق کے وقت جس نے معلوم کر لیا۔ کہ اب دن چڑھے گا۔ وہ بصیر و بینا ہے اور سورج نکلے جس نے دن چڑھنا منظور کیا۔ وہ بھی کیا تیز بین

آدمی ہے۔ اور جو اس وقت بھی نہ مانے وہ شیطان ہے۔ اب تم سوچو اور غور کرو۔ کہ ہمارے امام کی نسبت تمہارا فہم اول مرتبہ تو خطا کر چکا ہے۔ دوسری ہی مرتبہ کو غنیمت سمجھو۔ پھر تیسرا مرتبہ ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ تم کو بچاوے۔

قولک۔ اور آپکے امام کا جو دعویٰ ہے۔ کہ میں مسیح کا مثیل ہوں۔ تو ابتک کیا اس کا اظہار ہوا۔ کونسی اسلام کی ترقی ہوئی۔ کچھ حدود شرعیہ جاری ہوئیں۔ جو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اگر یہ شخص مجدد ہے۔ تو کونسے اللہ تعالےٰ کے حکم جاری کئے قطع طریق زنا سرقہ کیا خلاف باتیں رد کیں۔

اقول۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؏ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؏

دین اسلام میں بعد خیر القرون کے ایسے ایسے گندے عقیدے مل جل گئے تھے۔ کہ جس سے اسلام کی ساری شان وشوکت جاتی رہی تھی۔ ہمارے امام نے وہ عقائد باطلہ دور کئے اور کر رہے ہیں۔ نئے سرے سے مسلمانوں کو مسلمان بنایا۔ اور بنا رہے ہیں۔ تمہارے پرانے عقائد کے موافق حضرت عیسےٰ شریک باری اور دجال ان سے بھی دو قدم زیادہ ہے۔ ہمارے امام کے عقیدے کے موافق حضرت عیسےٰ حضرت موسےٰ کے ایک تابع اور پیرو نبی تھے۔ اور انمیں کوئی ایسی صفت نہیں تھی جو کسی اور نبی میں نہ ہو۔ اگر کہو کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ اگر کہو کہ وہ مُردے زندہ کرتے تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ اصلی مُردے قبروں سے سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اُٹھا نہیں سکتا۔ اور خدا تعالیٰ بھی قیامت کو اُٹھائیگا۔ اس کا بھی دستور نہیں۔ کہ کسی کو زندہ کرے۔ اگر کہو کہ وہ مٹی سے جانور بنا کر انہیں زندہ کر دیتے تھے۔ تو بالکل غلط ہے۔ پھونک مار کر اُڑا دیتے تھے۔ نہ کہ زندہ کر دیتے تھے یوں تو حضرت موسےٰ کا عصا بھی سانپ بن جاتا تھا۔ مگر اصل میں وہ لاٹھی کی لاٹھی تھی۔ اور حضرت عیسےٰ کی مٹی کی چڑیاں بھی ذرا پرے جا کر گر پڑتی تھیں۔ اور مٹی کی مٹی رہ جاتی تھیں۔ دوسرے معجزوں کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ اکمہ رتوندہ (رات اندھا) والے کو کہتے ہیں۔ مولویوں نے مادر زاد اندھا غلط ترجمہ کیا ہے۔ اگر یہ کہو کہ حضرت عیسےٰ اور ان کی ماں مس شیطان سے پاک تھیں۔ اور کل نبیوں کو شیطان نے ہاتھ لگایا ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ ہاتھ لگانا کیسا ہمارے رسول مقبول کا شیطان

تو خود مسلمان ہی ہوگیا تھا۔ اسی طرح دجال اور یاجوج ماجوج دابۃ الارض کو عجیب الخلقت بنا رکھا ہے۔ جس کی حقیقت ہمارے امام نے کھولی ہے۔ ان کی کتابیں دیکھو اور ہزارہا مسائل دینیہ کو تم نے خراب کر رکھا تھا۔ اور قرآن و حدیث کے معنے بہت جگہ سے اُلٹے پلٹے کر رکھے تھے۔ ہمارے امام نے انہیں سہل اور آسان کر دیا۔ اور ایسا عمدہ طرح سے سمجھایا کہ سبحان اللہ کچھ شک و شبہ باقی نہ رہا۔ حکماً عدلاً ہمارے امام کی شان ہے۔ بیرونی دشمنوں یا دیوں اور آریوں وغیرہ کو ایسا قایل کیا۔ کہ بول نہیں سکتے۔ براہین احمدیہ ایسی لاجواب کتاب لکھی۔ کہ جو بے تعصب ہو کر پڑھے گا۔ وہ لُطف اٹھائیگا۔ آج ہمارے امام کے سوا قرآن شریف اور رسول کریم صلعم کا کون حامی و مددگار ہے۔ کہنے کو تو سینکڑوں مجلسیں اور انجمنیں نکل پڑی ہیں۔ لیکن عملی طور پر کسی نے آج تک کچھ نہیں کیا۔ اور تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ جبکہ تم خود اپنے عقائد کے رُو سے نیم عیسائی ہو۔ حضرت عیسےٰ کو آدھا رتبہ خدا کا تم نے دے رکھا ہے۔ عیسائیوں نے پُورا دے رکھا ہے۔ تم ان کے مددگار ہو۔ دو ہزار سال سے زندہ تم بھی مانتے ہو آسمان پر جو فرشتوں اور روحوں کی جگہ ہے۔ تمنے انہیں بٹھا رکھا ہے۔ محی تم انہیں تسلیم کرتے ہو۔ پرندوں کا خالق تم انہیں مانتے ہو۔ شافی تم کہتے ہو۔ عالم الغیب تم کہتے ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو۔ کہ اذن الٰہی سے ان میں یہ خدائی اوصاف تھے۔ پھر ہم سوال کرتے ہیں۔ کہ خدا اپنے جیسا خدا بھی بنا سکتا ہے یا نہیں اگر یہ اوصاف بندوں کے لئے جائز ہیں۔ تو محمد رسول اللہ ان سے کیوں محروم رہے۔ اور باوجود اس قدر تنزل کے وہ افضل الرسل اور سید ولد آدم کیونکر ہمارے امام نے حضرت عیسےٰ کو آدمی بنایا۔ جنہیں تمنے خدا بنا رکھا تھا۔ انہیں آسمان سے اتار کر کشمیر جنت نظیر کے نواح سرینگر محلہ خان یار میں سُلا دیا۔ عیسائیوں پر اسلام کی ایسی حجت پُوری کی۔ کہ تمام عیسائی یہاں تک کہ لاہور کا بشپ صاحب بھی مقابلہ سے گریز کر گیا۔ اب اگر کوئی پادری قادیان میں آتا ہے۔ تو اگر ادب سے ہمارے امام کا کلام سنتا ہے۔ چون و چرا ہرگز نہیں کرتا۔ جنگ مقدس جو امرتسر میں ہوئی تھی جس میں آتھم صاحب کی نسبت ہمارے امام صاحب نے پیشگوئی کی تھی۔ وہ دو پہلو سے پوری ہوئی اوّل بسبب حق کی طرف رجوع کرنے کی میعاد پیشگوئی بڑھ گئی۔ لیکن جب اس نے اظہار حق اور قسم کھانے سے انکار کیا۔ تو بہت جلد اس جہان سے رخصت ہوگیا۔ پنڈت لیکھرام نے ایک

اودھم مچار کھا تھا۔ جب ہمارے امام صاحب سے مقابلہ ہُوا۔ اور اس نے گستاخی سے پیشگوئی طلب کی۔ تو ہمارے امام نے اس کی درخواست پر پیشگوئی کی۔ کہ چھ سال میں تیرا کام کسی عذاب سے تمام ہوگا۔ آخر ایسا ہی ہوُا۔ کہ جیسا الہام میں بتایا گیا تھا۔ کہ عید کے دوسرے دن وہ لاہور میں سر شام مارا گیا۔ اس کا قصہ لاہور میں مشہور ہے۔ سکھوں پر بھی ہمارے امام نے حجت پوری کی۔ اور ان کے گھر سے انکے گرو نانک کا چولا جس پر قرآن شریف کی آیات جا بجا تحریر ہیں نکال کر انہیں دکھا دیا۔ کہ گُرو نانک ایک مسلمان تھے۔ جو نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور حج بھی دو دفعہ کیا تھا۔ اور مسلمان اولیاء کے مقابر کے نزدیک چلّہ کشیاں کیا کرتے تھے۔ جس کا معقول جواب کسی سکھ نے آج تک نہیں دیا۔ تمہاری اصل مرضی یہ ہے۔ کہ جہاد کیوں نہیں کیا۔ جس کو بسبب انگریزوں کے خوف کے صاف صاف زبان پر نہیں لا سکتے۔ اور اسی مسئلہ کے اختلاف کے سببسے اکثر مولوی ہمارے امام علیہ السلام کے دشمن جان بن گئے ہیں۔ بہانہ اور اور کرتے ہیں۔ لیکن خوب سمجھتے ہیں۔ کہ اصل باعث کیا ہے۔ نامردی کے سببسے اظہار نہیں کر سکتے۔ مثل مشہور ہے۔ گو یم مشکل وگرنہ گو یم مشکل۔ جیطرح کوئی چور رات کو اگر کسی سے پٹ کر آتا ہے۔ تو اپنی مار کا اظہار نہیں کر سکتا۔ بلکہ خفیہ خفیہ علاج کرتا ہے۔ اور کسی اور بہانہ سے اس مارنے والے کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ کیونکہ اگر اصل حقیقت کا اظہار کرے۔ تو پکڑا جاوے۔ ہمارے امام نے جس مسلمان فرقہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس میں ابتک قریباً نصف لاکھ مخلوق الٰہی داخل ہو چکی ہے۔ اور ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ فرقہ اسلام کی اصل تعلیم سیکھتا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو توبہ نصیب ہوتی ہے۔ پھر نماز کی تعلیم ہوتی ہے۔ پُرانی نماز نہیں جو تم پڑھا کرتے ہو۔ وُہ ٹکریں ہیں۔ ہمارے امام نے ایسی نماز سکھائی ہے۔ کہ جس میں غفلت نہیں ہوتی۔ سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے۔ اور سوائے قرآن شریف اور ماثورہ دعاؤں کے اپنی بولی میں بھی جا بجا دُعا کا حکم فرماتے ہیں۔ ایک آدھ منٹ میں چار رکعت نہیں پڑھتے۔ اسی طرح علم کا اس جماعت میں بڑا چرچا ہے۔ یہاں تک کہ امام کی صحبت کی برکت سے کم علم لوگ بھی اس قدر واقف ہو گئے ہیں کہ مولوی ان سے کنیاتے ہیں۔ اور جان چُراتے ہیں۔ اور لاجواب ہو جاتے ہیں۔ اور حیلہ اور حوالہ کرکے گفتگو کو ٹال دیتے ہیں۔ ہماری جماعت میں علی العموم پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں۔ اور

دن بدن تقوی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ صداقت اور راستی اس فرقہ کا شعار ہے۔ اور حقوق عباد اور حقوق سرکار کے لئے ہمارے امام کی بڑی تاکید ہے۔ اور یہ سب تاثیر امام کی بیعت اور ہمارے امام کی صحبت اور تعلیم کی ہے۔ ابھی تم کہتے ہو۔ کہ تمہارے امام نے کیا کیا۔ عقائد کی اصلاح کی۔ غیر اقوام پر اسلام کی حجت اور تبلیغ پوری کی۔ جو ان کی جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ سچا مسلمان بن جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نیک تعلیم دنیا میں پھیلا کرتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ زمانہ اب نزدیک ہے۔ کہ بڑا حصہ مسلمانوں کا ہمارا ہوگا۔ اور باقی مخالف ذلیل حالت میں رہ جاوینگے جیسے آج کل چوہڑے چمار وغیرہ ذلیل حالت میں ہیں۔ جو کسی طرح کا دعویٰ نہیں رکھتے۔ بلکہ خادموں کی طرح ذلیل حالت میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ احکام شرعی قطع ید و سنگسار وغیرہ سزائیں کیوں نہیں جاری کیں۔ یہ کام تو بادشاہ خلیفہ کا ہے۔ ہمارے امام آدم۔ ابراہیم اور عیسےٰ کی طرح خلیفہ ہیں۔ موسےٰ اور داؤد کی طرح نہیں۔ جو بادشاہ خلیفہ ہوتا ہے۔ وہ حدود و قصاص جاری کرتا ہے۔ کیا حضرت عیسےٰ نے حدود و قصاص جاری کئے تھے۔ جو ہمارے عیسےٰ و مہدی جاری کریں۔ کیا مجدد کے لئے حدود و قصاص کا جاری کرنا شرط ہے۔ اگر شرط ہے تو مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب تمہارے نزدیک مجدد نہیں تھے۔ اور امام شافعی اور امام غزالی بھی مجدد نہیں تھے۔ اب چاہو تم جھوٹ بولو۔ لیکن تم اور تمہارا سارا خاندان اور تمہارا کل فرقہ ان لوگوں کو مجدد بھی مانتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ان لوگوں نے حدود و قصاص جاری نہیں کئے۔ بلکہ خود قوم سے مغلوب تھے۔ اور دل خراش باتیں سنتے تھے۔ جیسا تم ہمارے امام کو جھوٹی تہمتیں دیتے ہو۔ ایسا ہی اس وقت کے نااہل ان بزرگوں کو ستاتے تھے۔ اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔ ہاں خلاف شرع باتیں تو بہت ہمارے امام نے روکیں۔ جس قدر ان کی تابع جماعت ہے۔ کم سے کم زنا۔ چوری۔ شرک۔ بدعت۔ شراب۔ جوئے۔ فتنہ پردازی۔ دروغ گوئی وغیرہ امور سے تو ضرور پرہیز کرتی ہے۔ اور بہت لوگ اس سے اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ جنہیں اولیاء کہنا بجا ہے۔ وہ تو بہت ہی پاک باز اور نیک دل ہیں۔ کہ جن کا ثانی مسلمانوں کے کسی فرقہ میں آجکل نہیں ہے۔ لیکن جیسے تو ابوبکر صدیق اور علی مرتضےٰ کو بھی آج تک کافر اور بے ایمان ہی کہتے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی کو آپ کی زندگی میں زنا کی تہمت لگائی تھی۔ جس کا فیصلہ

قرآن شریف نے کیا بلکہ مریم صدیقہ کو بھی یہود زانیہ اور عیسےٰ علیہ السلام کو حرامی کہتے تھے۔ جن کا دامن قرآن شریف نے پاک کیا۔ یہود اب تک باز نہیں آتے

قولہ۔ یہ شخص جو امامت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور یہ بھی بیان کرتا ہے۔ کہ میں مغل ہوں۔ اور مغل ایک شعبہ ترکوں کا ہے۔ تو ترکوں سے تو اس امت کو فلاح نہیں ہوئی۔ بلکہ ترکوں کے ہاتھ سے تو امت کی تباہی ہوئی۔ خلافت عباسیہ انہیں کے ہاتھ سے تباہ ہوئی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اترکوا الترک ما ترکوکم

اقول۔ مسلمانوں کی تباہی ترکوں کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی تباہی کی۔ جب حزم اور احتیاط کو ترک کر دیا۔ اور غفلت اور عیش میں پڑ گئے۔ تو رفتہ رفتہ کمزوری پیدا ہوتی گئی۔ آپ بھی عیش میں پڑ گئے۔ اور اہلکاروں کو بھی عیاش بنا دیا۔ اور وزیر جو بڑا معتبر چاہیئے۔ وہ شیعہ مقرر کیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کی نظر میں لائق عذاب ٹھیر گئے تو اپنی ہی کرتوتوں کا پھل پایا۔ اگر ترک اسی طرح غافل ہوتے اور مسلمان ہوشیار اور چست رہتے تو یہ بھی ان کی سلطنت لے سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تو خلیفہ تھے۔ انہوں نے کس طرح ملک حاصل کیا تھا۔ اور ملکہ معظمہ نے کیونکر ہندوستان لے لیا۔ یہ شکایت عبث ہے۔ اور ترک اس وقت کافر تھے۔ اور تمہارے بزرگ مسلمان۔ پھر کیا قہر ہوا کہ خدا نے کافروں کو فتح دی اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

لن یجعل اللہ للکافرین علے المؤمنین سبیلاً ط معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سچے مسلمان نہیں تھے۔ اور خدائی قانون سے باہر ہو گئے تھے۔ بعد فتح کے ترکوں اور مغلوں نے اسی صدی میں اسلام قبول کر لیا۔ اور ان کا اسلام اسلام کے حق میں نہایت مفید ہوا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے تو ہندوستان میں اسلام کی سلطنت قائم کی۔ اور کئی سو برس تک اسلام کی پشت و پناہ نہایت عمدگی سے بنے رہے۔ علم کے بڑے قدردان تھے۔ اور علماء کو بڑی بڑی جاگیریں اور عہدے دیتے تھے۔ ہزارہا مساجد تعمیر کرائیں۔ مدرسے بنائے۔ جہاں بت خانے تھے۔ وہاں مساجد تعمیر کرنا اور اللہ اکبر کی ندائیں بلند کرانا یہ شیخوں کا کام تھا۔ یا مغلوں کا۔ ہندوستان میں شیخوں کی شیخی مغلوں کے ہی دم سے تھی۔ اب تمہاری ساری شیخی کرکری ہو گئی۔ دیکھو آج تک

بھی ایک گاؤں میں ایک حصہ زمین پر قبضہ رکھتے ہو۔ جو مغلوں کی بخشی ہوئی ہے۔ پھر یہ تنگ حرامی استغفراللہ۔ بھوپال کی بیگم صاحبہ اگر مغلانی ہوتیں۔ تو ایسی باتیں دلیری سے آپ نہ لکھتے یہ ہندوستان کا حال ہے۔ اب عرب کا حال سُنیئے۔ کہ ایک عرصہ سے ترکوں نے قسطنطنیہ۔ بیت المقدس مکہ مدینہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اور وہ ان متبرک مقامات کے محافظ ہیں۔ اور وہاں کے شرفاء علماء کو بیش بہا تنخواہیں دیتے ہیں۔ ان کے خوف سے کوئی غیر سلطنت ہمارے معابد کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔ ورنہ قدر عاقبت معلوم ہوتی۔ ترکوں اور مغلوں کے مسلمانوں پر بڑے احسان ہیں۔ ناشکری نہ کرو۔ ناشکروں سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ تمہارے نانا دلی سے ہجرت کر کے ترکوں ہی کی عملداری میں پناہ لے گئے تھے۔ اور جیسا ترکوں کے بزرگ کافر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا ایک وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے نہیں آئے تھے۔ اور خالد وغیرہ قریش ...... اور عباس عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا بدر اور اُحد میں ہمارے رسول مقبول سے نہیں لڑے تھے۔ تو عباسیوں اور عمریوں اور خالد کی اولاد کو گالیاں دو۔ اصل میں تمہیں تعصب نے اور ہمارے امام کی دشمنی نے حواس باختہ کر دیا ہے۔ بے سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے۔ کہدیتے ہو۔ حقیقت میں تم مخدوم ہو سے

چشم بداندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر،

قولك۔ افسوس ہے۔ کہ آپ سید ہو کر ان کا اعتقاد رکھو۔ جس قوم سے کہ دین کی بربادی ہوئی۔ اور اب اس شخص کی ذات سے ہو رہی ہے۔ ساری امت کا خلاف آپ کو نہیں چاہیئے۔ کہ قریشی سید ہو کر ایسے دھوکہ میں آئیں۔

اقول۔ افسوس تو تب ہوتا۔ کہ میں قرآن و حدیث کے برخلاف حق کو قبول نہ کرتا۔ ہمارے امام گو کہ مغل کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ فارسی الاصل ہیں۔ اور اولاد اسحٰق علیہ السلام سے ہیں۔ اور ان کی بعض دادیاں سیدانیاں بھی تھیں۔ تو اس حساب سے اہل بیت سے بھی تعلق ہوا۔ اور دین میں ذات کا کچھ تعلق بھی نہیں کسی قوم کا ہو۔ ہاں مامور من اللہ نیچ اور کمینہ نہیں ہوتے۔ ورنہ ولی تو ہر مومن بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے رسول مقبولؐ کے رشتہ دار جو کافر تھے۔

کیا تمہارے نزدیک مقدادؓ۔ بلالؓ۔ ابوہریرہؓ وغیرہ سے بہتر تھے یا نہیں۔ اب جو ہمارے تمہارے رشتہ دار بدافعال اور متکبر و شریر النفس ہیں۔ وہ بمقابلہ ایک صالح مغل یا پٹھان کے لائق تعظیم ہیں؟ افسوس تم میں ایام جاہلیت کی حمیت باقی ہے۔ یہ تمام انبیاء کیا حضرت فاطمہؓ کی اولاد تھے۔ اور تمہارے نزدیک تمام انبیاء سید تھے یا نہ تھے۔ سید تو افعال سے ہوتا ہے۔ نہ کہ فقط ذات سے اور جو بڑے چمار بھی افعال سے ہوتے ہیں۔ نہ فقط قومیت سے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم قرآنی حکم ہے۔ مگر تم حافظ ہو کر پھر بھول گئے افسوس کہ آجکل کے مولوی اس علم پہ ناز کرتے ہیں۔ اور ساری امت کا خلاف ہم نے نہیں کیا۔ بلکہ ہمارے ساتھ خدا رسول اور کل صحابہ و اکابر امت ہیں۔ تمہاری مراد امت سے فیج اعوج ہے۔ تو بے شک ہم انکے برخلاف ہیں۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ لیسوا منّی ولست منھم ہمارے امام کی ذات سے اسلام کو اس قدر قوت پہنچی ہے۔ اور پہنچ رہی ہے۔ کہ بعد خیر القرون کے کسی بزرگ سے نہیں پہنچی۔ اسلام میں ہمارے امام کے سبب سے جان پڑ گئی۔ مگر یہودی صفت علماء مر گئے۔ ان کا اور انکے بئس القرین کا ساختہ پرداختہ بالکل برباد ہو گیا۔ نہ عیسٰے کی خدائی رہی نہ دجال کی۔ وہی عیسٰے کے آنے پر جو لوٹ گھسوٹ مولویوں کو ملنے کی امید تھی۔ وہ سب ہباءً منثوراً ہو گئی۔ تمہاری امیدیں مایوسی سے بدل دیں۔ وہ دل خوش کن خیالی پلاؤ۔ افسوس کہ تمہیں اب نصیب نہیں ہونیکا خاطر جمع رکھو۔ اپنی محنت کی کمائی کے سوا غارت کا مال ہرگز تمہیں میسر نہیں آنے کا۔ اگر فرض محال لوٹ بھی ہوتی۔ تو مولویوں کو اور سست پیرزادوں کو کب میسر آ سکتی تھی۔ ان سے ہلا تو جاتا نہیں۔ لوگ لوٹ کرلے جاتے یہ منہ دیکھتے کے دیکھتے رہجاتے۔

قولک۔ یہ سب میں نے آپ کی خیر خواہی سے لکھا ہے۔ آپ برا نہ مانئے گا۔

اقول۔ نہیں حضرت برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ جو فتحیاب قوم ہوتی ہے۔ اس کو لوگ گالیاں دیا ہی کرتے ہیں۔ آجتک ابوبکرؓ و عمرؓ کو روافض لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ اور علیؓ کو خوارج اور پادری بھی مخلوق الٰہی کو جو ہر طرح کی کوششوں سے عیسائی بنا رہے ہیں۔ بیخیر خواہی کا ہی جوش ہے۔ اور شیعہ بھی بڑی جانفشانی کر رہے ہیں۔ کہ کوئی سنی شیعہ بنجائے۔ یہ بھی محبت اور خیر خواہی کے باعث کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک چور بھی اپنی جماعت میں کسی کو شامل کرتا ہے۔ تو اس

کی بہتری اپنی دانست میں سمجھتا ہے۔ میں آپ کا اس خیر خواہی کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کو وہ آنکھیں عطا کرے۔ کہ جن سے آپ ہمارے امام کو پہچانیں۔ اور قبول کریں۔ تاکہ آپ کا انجام بخیر ہو۔ آمین۔

تنبیہہ

جو نبی دنیا میں آتے رہے ہیں۔ ان کی بابت اکثر انسے پہلے نبی اطلاع دیتے رہے ہیں۔ لیکن ایک بھی ایسا نبی نہیں آیا۔ جس کو آتے ہی لوگوں نے بموجب پیشگوئی کے پہچان لیا ہو۔ اصل میں پیشگوئیاں بھی ایک قسم کی پہیلیاں ہوتی ہیں۔ جن کو دینی عقلمند بوجھتے ہیں۔ اور بے دین بے عقل باوصف آنے اپنے بتانے کے حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آتا۔ بقول شخصے ولی را ولی می شناسد۔ نیکاں کو نیک ہی پہچانتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر رضؓ نے فوراً پہچان لیا۔ بلال وغیرہ نے پہچانا۔ مگر مکہ کے بڑے بڑے سرداروں نے نہ پہچانا۔ اصل یہود نے جس طرح اصل ابن مریم کو نہیں پہچانا تھا۔ یہ مثیل یہود بھی جن سے مراد علماء ہیں۔ مثیل ابن مریم کو نہیں پہچان سکتے۔ اگر انبیاء کو لوگ آتے ہی قبول کر لیتے اور پہچان لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول معاذ اللہ غلط ٹھیرتا ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن ؕ۔ اولیاء انبیاء کے اظلال ہوتے ہیں۔ ان کو بھی پہچاننا مشکل ہے۔ اسی سبب سے اس امت کے تمام اولیاء نے علماء اور جہلا کے ہاتھوں سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ سو جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے۔ اور کان بہرے ہو گئے تھے۔ کیا اصل میں اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ یا قبول حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظاہری آنکھوں اور کانوں کے بیکار ہونے کے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح باطنی آنکھیں اور کان بھی سرکشی اور شرارتوں کے سبب سے چھینے جاتے ہیں۔ اور توبہ اور استغفار سے پھر مل بھی جاتے ہیں۔ ظاہری بیماریوں کا جس طرح علاج ہو سکتا ہے۔ اور ہزاروں بیمار شفا پاتے ہیں۔ اسیطرح باطنی بیماریاں بھی اچھی ہو سکتی ہیں۔ ان کا بھی علاج اللہ و رسول نے

فرمایا ہے۔ سب سے پہلے تو ہر ایک۔ خیال سے خالی ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف آدمی رجوع کرے۔ اور رو رو کر اور سخت بیقراری اور گریہ و زاری سے التجا کرے۔ رات کو دن کو دوپہر کو پانچوں نمازوں کے رکوع میں سجدہ میں تو میر جلسہ میں آخر کے قعدہ میں ایک مصیبت زدہ کی طرح گڑ گڑا دے اور آہیں مار مار کر فریاد کرے۔ اور تھکے نہیں ماندہ نہ ہو۔ لگاتار کوشش کئے جاوے اور بس نہ کرے جب تک اللہ تعالیٰ انکشاف حقیقت نہ فرما دے۔ اور کثرت استغفار اور درود رات دن محنت سے کرے۔ انشاء اللہ چالیس روز نہیں گذرنے کے کہ حقیقت منکشف ہو جاوے گی۔ پہلے سے دل میں یہ تصور کر لینا نہیں چاہیئے۔ کہ فلاں جھوٹا ہے احکام اسلام کے برخلاف ہے۔ انسان کو یوں دُعا کرنی چاہیئے

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ ......

اور جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے خواب میں یا دیگر دلائل سے معلوم ہو۔ اس کو بلا چون و چرا ماننے کا پہلے سے ارادہ دل میں ٹھان لیوے۔ تعصب بالکل نہ کرے۔ دوم یہ کہ کتابوں کو بغور ملاحظہ کرے۔ بیہودہ سمجھ کر پھینک دے۔ بار بار کتابوں کو پڑھے۔ اور سوچے آخر حق و باطل میں خدا تعالیٰ تمیز پیدا کر دیگا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ کوشش بغیر کچھ ہوتا نہیں۔ ادنےٰ کام بھی بغیر تکلیف کے بہم نہیں پہونچتا۔ دین کچھ کھیل نہیں ہے۔ شطرنج کی بازی نہیں ہے۔ کہ نہ جیتنے سے کچھ فائدہ نہ ہارنے سے کچھ نقصان۔ بلکہ یہاں جنت اور دوزخ روبرو رکھے ہیں۔ ایک جنت کا راستہ ہے۔ دوسرا دوزخ کا۔ جس راستہ پر قدم اٹھاؤ گے۔ جہاں وہ پہنچے گا وہیں تم بھی جاؤ گے۔ خواہ تمہارا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ چودھویں صدی ابھی آ گئی بجائے مجدّد کے ایک دجال بقول تمہارے پیدا ہوا۔ اور مجدّد کو آنے سے اس نے روک دیا۔ خدا اور رسول کی باتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ کیا یہ وقت فتنوں کا نہیں۔ پہلے مجددین کی نسبت تو ہزار گنہ فتنے دنیا میں زیادہ موجود ہیں۔ اس وقت تو کوئی بڑا ہی بھاری مجدّد درکار ہے۔ (جیسے ہمارے امام ہیں۔ جو تمہاری نظر میں معاذ اللہ ایک دجّال کا حکم رکھتے ہیں۔) جو ان فتن کا مقابلہ کرے۔ صلیب کا زور ابھی تمہیں محسوس نہیں ہوا۔ کہ جس کے توڑنے والے کی ضرورت محسوس ہو اور خنزیر

خصلت شیطان بسیرت آدمی آپنے نہیں دیکھے۔ کہ جن کو دلائل کی تلوار سے قتل کرنیوالے کی آمد پر سجدات شکر بجالاؤ۔ اور اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ کیا دجالی فتن انتہائی درجہ کو نہیں پہنچے۔ کہ جنکے مٹانے کیلئے مسیح ابن مریم کی ضرورت ہو۔ جو علامات اور نشانات سے بے خبر ہیں وہ دل مرے ہوئے ہیں۔ جسطرح ظاہری حواس بعض بیماریوں سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی باطنی حواس بھی گناہوں کی کثرت سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں لوگ دنیا پر اسقدر مائل ہوگئے ہیں۔ کہ دین کا خیال بھی نہیں رہا۔ اور جس چیز کا خیال ہی نہ ہو۔ اس سے آدمی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز سے بے خبر ہو اس میں رائے زنی بیہودہ ہے۔ اب اگر کسی بنئے سے لڑائیوں اور سپاہیوں کے معاملہ میں پوچھا جاوے۔ تو وہ خاک بتلائیگا۔ اور اگر کچھ بتلائیگا۔ تو غلط بتائیگا۔ آجکل کے ہمارے مولویوں کا بھی یہی حال ہے۔ کہ علم دین سے ایسے ہی بے خبر ہیں۔ جیساکہ شیخ صابن کے بھاؤ سے یا کوئی جاٹ عطر کی قدر و قیمت سے۔ اول تو عالم رہے ہی نہیں۔ مولوی ایک فرضی یا آبائی نام ہے۔ جیسے سرکاری خطاب کہ بعض جولاہوں اور تیلیوں کو بھی بسبب عہدوں کے خان بہادر کا خطاب ملجاتا ہے۔ مگر بہادری ایک قلب کا فعل ہے۔ وہ تو سرکار کسی کو عطا نہیں کر سکتی۔ اور اگر ہزاروں میں سے ایک آدھا ہو بھی تو وہ دنیا پرست ہے۔ یہی اسفادگان کا مصداق **ایمان ثریا پر چلا گیا تھا**۔ جس کو ہمارے امام دوبارہ لائے ہیں۔ ایک ہی شخص ہے۔ جس سے ایمانی نعمت ملتی ہے۔ بھلا جو اس کا دشمن ہوگا۔ اس کو ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ پرانی باتوں کو دماغ سے نکالدو۔ تاکہ تازہ ایمان تمہیں حاصل ہو۔ اور اس عارف باللہ اور نائب رسول اللہ کے پاس عجز و انکسار سے حاضر ہو کر دیکھو۔ تا تمہیں حقیقت معلوم ہو۔ ورنہ چند روز میں نہ میں رہوں گا۔ نہ تم آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا۔ مگر مجھے آپ سے محبت اور ہمدردی ہے۔ جس لئے پھاڑ پھاڑ کر اور کھول کھول کر تمہیں تنبیہ کرتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت میر صاحب کے کلام میں سے کچھ

حضرت میر صاحب کی شاعری کے متعلق ایک مختصر سا ریمارک میں اوپر کر چکا ہوں۔ اگر ان کا سارا کلام جمع کیا جاوے۔ تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیگا۔ وہ جمع کر دیگا۔ اس مختصر تالیف میں میرے لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ میں کئی سو منظوم صفحات کو لا سکوں۔ تاہم میں انکے کلام میں سے یہاں بعض نظمیں دینی ضروری سمجھتا ہوں۔ ان میں سے پہلی ایک مناجات اور دعا بحضور رب العالمین ہے۔ دعا انسان کے نہاں در نہاں جذبات اور اندرونی خواہشات کا اظہار ہوتی ہے۔ اور اس سے اس کی سیرت اور زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرۃ اور اعلےٰ سیرۃ کا اندازہ آپ کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔ میں نے اس خصوص میں تادیب النساء میں ایک سلسلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرۃ کا اسی نقطہ نظر سے لکھا تھا۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب کی اس مناجات پر اگر آپ غور کریں۔ تو انکے مقام کا پتہ لگتا ہے۔

دوسری نظم حرم محترم کے عنوان سے آج سے اکیس برس پیشتر میں نے شائع کی تھی۔ یہ نظم جیسا کہ میں اوپر کہہ آیا ہوں حضرت نانی اماں کی شان میں ہے۔ یہ نظم ایک طرف حضرۃ نانی اماں کے اعلےٰ اخلاق اور ان اعلیٰ خوبیوں کا نمونہ ہے۔ جو ایک شریف بی بی میں ہونی چاہئیں۔ جس سے وہ شفیق ماں اور فرمانبردار اور مخلصہ بیوی بن سکے۔

دوسری طرف حضرت میر صاحب کی شکر گذار فطرت اور قدر شناس سیرۃ کو ظاہر کرتی ہے۔ اور میں اس کو اسی نقطہ خیال سے یہاں درج کر رہا ہوں۔ ان کا کلام نہایت سلیس عام فہم اور موثر ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لئے یہ بہت کچھ دلچسپی کا موجب ہوگا۔

مناجاتِ ناصر

میں مشکلات میں ہوں مشکل کشا تو ہی ہے
محتاج ہوں میں تیرا حاجت روا تو ہی ہے

دکھ درد میں ہزاروں کس کس کا نام لوں میں
بندہ ہوں میں تو عاجز میرا خدا تو ہی ہے

سچے رسول تیرے سچی تری کتابیں
سب گمرہوں کا لیکن اک رہنما تو ہی ہے

صدہا طبیب حاذق لاکھوں ہی ہیں دوائیں
لیکن مرے پیارے دل کی دوا تو ہی ہے

کچھ بھی ہمیں تو آتا تجھ بن نظر نہیں ہے
پوشیدہ بھی تو ہی ہے اور برملا تو ہی ہے

تیرے سوا نہیں ہے معبود کوئی ہرگز
قرباں ہیں جس پہ دل ہیں وہ دلربا تو ہی ہے

ماں باپ بھائی بہنیں بیوی ہو یا کہ بچے
ہیں چار دن کے ساتھی لیکن سدا تو ہی ہے

جو تیرے پاس آیا اُس نے ہی لطف پایا
کل بیوفا ہے دنیا اک باوفا تو ہی ہے

جس نے نہ تجھ کو دیکھا ہے عقل کا وہ اندھا
آنکھوں کا نور تو ہے دل کا دیا تو ہی ہے

جس خوش ادا پہ ہوتے ہیں قربان سب رنگیلے
میں تیرے منہ کے صدقے وہ خوش ادا تو ہی ہے

ڈر ہے تو تیرا ڈر ہے امید ہے تو تجھ سے
ہے جائے خوف تو ہی جائے رجا تو ہی ہے

جس دل کا تیرے غم میں ہوتا ہے خون پیارے
انجام کار اس کا بس خون بہا تو ہی ہے

تیرے فقط کرم سے پاتا ہے کوئی تجھ سے
ہر چیز کی ہے قیمت اک بے بہا تو ہی ہے

سب سے عظیم تو ہے اور سب ہی تو ہے اعلیٰ
ہر شئے کی انتہا ہے بے انتہا تو ہی ہے

لوگوں نے جو ہے سمجھا وہ تو نہیں ہے ہرگز
ہم مانتے ہیں تجھ کو بے شک خدا تو ہی ہے

مومن ہیں تیرے شیدا اس میں نہیں ذرا شک
کافر کے بھی تو دل کا بس مدعا تو ہی ہے

ہے قرب تیرا دولت دوری تیری فقیری
دل کو غنا ہو جس سے وہ کیمیا تو ہی ہے

شاہوں کا شاہ تو ہی ہے سب کی پناہ تو ہے
ہے شاہ تو بناتا کرتا گدا تو ہی ہے

تو ہم کو ہے کھلاتا اور تو ہی ہے پلاتا
بیمار ہم جو ہو دیں دیتا شفا تو ہی ہے

دکھ درد سے رہائی دیتا ہے تو ہی ہم کو
اور دور ہم سے کرتا ہر اک اذا تو ہی ہے

ہے ابر تو ہی لاتا کرتا ہے تو ہی بارش
اور بھیجتا جہاں میں ٹھنڈی ہوا تو ہی ہے

سامان زندگی کا تو نے دیا ہے ہم کو
کپڑے تو ہی پہناتا دیتا غذا تو ہی ہے

تو پھول ہے کھلاتا اور پھل بھی ہے لگاتا
میوے ہمیں کھلاتا یہ بامزا تو ہی ہے

پُر عیب کل بشر ہیں بے عیب ذات تیری
سب پُر خطا ہیں بندے اک بے خطا تو ہی ہے

ناصر کی کر مدد تو تیرا ہے نام ناصر
منظور عاجزوں کی کرتا دعا تو ہی ہے

جب سرکشی سے بندے ہوتے ہیں تجھ سے باغی
ان کی سزا کی خاطر لاتا وبا تو ہی ہے

رکھنے کے جو ہیں قابل رکھتا ہے انکو تو ہی   جو ہیں فنا کے لائق کرتا فنا تو ہی ہے

توبہ قبول کرنا تیرا ہی کام ہے بس   تو ہے قریب ہم سے سنتا دعا تو ہی ہے

دل میں خیال نیکی آتا ہے جب ہمارے   تو اس کا ہے محرک دیتا ندا تو ہی ہے

بدیوں سے پھیر لانا رہ ہم کو ہے دکھاتا   ہم کرتے ہیں برائی کرتا بھلا تو ہی ہے

ہم ہیں فقیر تیرے تو ہے غنی ہمارا   ہم لیتے ہیں جو قرضہ کرتا ادا تو ہی ہے

اولاد و مال تو نے ہم کو دیا ہے بے شک   احسان ہم پہ کرتا صبح و مسا تو ہی ہے

تو ہم کو پالتا ہے آفات ٹالتا ہے   اور ہم سے دور کرتا ہر اک بلا تو ہی ہے

تو محنتیں ہماری کرتا نہیں ہے ضائع   خدمات کا ہماری دیتا صلا تو ہی ہے

پھنستے ہیں ہم الم میں پڑتے ہیں قید غم میں   آخر مصیبتوں سے کرتا رہا تو ہی ہے

تجھ کو فنا نہیں ہے ہم کو بقا نہیں ہے   دیتا ہے زندگی تو کرتا فنا تو ہی ہے

چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں بچے ہوں یا کہ بڈھے   جب چاہتا ہے ہم پر لاتا قضا تو ہی ہے

تبدیل کر رہا ہے جنگل کو بستیوں سے   شہر دل کے شہر دم میں کرتا صفا تو ہی ہے

کر قوم پر ہماری الطاف یا الٰہی   تیرے ہی ہیں یہ بندے انکا خدا تو ہی ہے

امت رسولؐ کی ہے مہدی کا ہے یہ فرقہ   کشتی میں تیری بیٹھے اب ناخدا تو ہی ہے

ہم کو نہ غرق کرنا غیروں سے فرق کرنا   سب ہیں ہمارے دشمن اک آشنا تو ہی ہے

اے میرے دل کی راحت میں ہوں ترا فدائی   تکلیف میں نے ہرگز تجھ سے کبھی نہ پائی

صورت سے تیری بڑھ کر سیرت میں دلربائی   میں ہوں شکستہ خاطر اور تو ہے مومیائی

مجھکو نہ چین تجھ بن بے میرے سکھ نہ تجھ کو   میں تیرے غم کی دارو تو میری ہے دوائی

شرمندہ ہوں میں تجھ سے مجھ سے نہیں خجل تو   مجھ میں رہی کدورت۔ تجھ میں رہی صفائی

تو نے کرم کیا ہے میرے ستم کے بدلے
دیکھی نہ میں نے تجھ سے اک ذرہ بے وفائی

تو لعل بے بہا ہے انمول ہے تو موتی
ہے نقش میرے دل پر بس تیری پارسائی

میں نے نہ قدر تیری پہچانی ایک ذرہ
ہیرے کو میں سمجھا افسوس ایک پائی

خاطر سے تو نے میری کنبہ کو اپنے چھوڑا
جنگل میں ساتھ میرے پیارے وطن سے آئی

تھی نازکی پلی تو اور میں غریب گھر کا
تو نے ہر اک مصیبت گھر میں مرے اٹھائی

محنت کا تیری ثمرہ اللہ تجھ کو بخشے
چولھے میں سر کھپایا۔ بچوں پہ جاں کھپائی

دکھ سکھ میں ساتھ میرا تو نے کبھی نہ چھوڑا
خود ہوگئی مقابل جب غم کی فوج آئی

دنیا کے رنج و غم کو ہنس ہنس کے تو نے کاٹا
اللہ رے تیری ہمت بل بے تیری سمائی

بچوں کو تو سلاتی اور آپ جاگتی تھی
سو بار موت گو میں تو رات کو نہائی

بچوں کے پالنے میں لاکھوں اٹھائے صدمے
جب تک یہ سلسلہ تھا راحت نہ تو نے پائی

ہوتا تھا ایک پیدا اور دوسرا گذرتا
تھی صابرہ تو ایسی ہر گز نہ بلبلائی

صدمہ کو اپنے دل کے لاتی نہ تو زباں پر
جہال کی طرح سے دیتی نہ تو دہائی

تنگی میں عمر کاٹی بچوں کو خوب پالا
شکوہ نہ سختیوں کا لب پر کبھی تو لائی

دکھ درد اپنے دل کا تو نے کیا نہ افشا
غیروں سے تو چھپاتی ہوتی اگر لڑائی

جو میں نے تجھ کو بخشا تو نے لیا خوشی سے
مانگی نہ تو نے مجھ سے ساری کبھی کمائی

دھوکہ دیا نہ ہرگز بولی نہ جھوٹ گاہے
مجھ سے نہ بات کوئی تو نے کبھی چھپائی

تھی جتنی تجھ میں طاقت کی تو نے میری خدمت
خود کھایا رو کھا سو کھا نعمت مجھے کھلائی

عیبوں کو تو نے میرے اغیار سے چھپایا
تھا تیرے بس میں جتنا عزت میری بنائی

صدمہ سے میرے صدمہ تجھ کو ہوا ہمیشہ
جب شاد مجھ کو پایا تو نے خوشی منائی

تھی میرے دشمنوں کی تو جان و دل سے دشمن
اور میرے دوستوں سے تیری رہی صفائی

جو کچھ تھا میرا مذہب تھا وہی تیرا مشرب
تھی تیرے دل میں الفت ایسی میری سمائی

مجھ پر کیا تصدق جو تیرے پاس تھا زر
یاں تک کہ پاس تیرے باقی رہی نہ پائی

کرتا ہوں شکر حق کا جس نے تجھے ملایا
اور میری تیری قسمت آپس میں یوں ملائی

ہو تجھ پہ حق کی رحمت تجھ کو عطا ہو جنّت اور میری تیری اک دم ہووے نہ واں جُدائی

آرام تجھ کو دیوے فضل و کرم سے مولیٰ ہر رنج و غم سے بخشے مالک تجھے رہائی

ہرگز نہ تو دُکھی ہو ہر وقت تو سُکھی ہو بچّوں کا عیش دیکھے تو اور تیری جائی

فضلِ خدا کی بارش دن رات تجھ پہ برسے پانی میں مغفرت کے ہر دم رہے نہائی

دولت ہو تجھ سے ہمدم عزّت ہو ساتھ تیرے اولاد میں ہو برکت۔ کہلائے سب کی مائی

تیرا نہیں ہے ثانی لاکھوں کی تو ہے نانی عیسےٰ سے کر کے رشتہ دولت یہ تو نے پائی

اسلام پر جئیں ہم ایمان سے مریں ہم ہر دم خدا کے در کی حاصل ہو جبہ سائی

جب وقت موت آوے بیخوف ہم سدھاریں دل پر نہ ہو ہمارے اندوہ ایک رائی

مہدی کے مقبرہ میں ہم پاس پاس سوئیں دنیا کی کشمکش سے ہم کو ملے رہائی

اک اور بھی دعا ہے اب میرے دل میں آئی ہے جوش کا یہ عالم جاتی نہیں چھپائی

ہو قوم کو ہدایت اللہ کی آئے نصرت آقا کرے ہمارا دنیا کی رہنمائی

مثلِ مدینہ ہووے اسلام کا یہ مرکز قصبہ میں قادیان کے آئے نظر خدائی

مہدی کو لوگ مانیں عیسےٰ کے معتقد ہوں پھر جائے چار جانب اسلام کی دوہائی

دنیا سے دور ہووے ہر طور کی کدورت جس سمت آنکھ اُٹھے آئے نظر صفائی

اسلام میں ہو داخل بس فوج فوج دنیا اعدا گلے سے مل کر بن جائیں بھائی بھائی

آنکھوں سے اپنی ہم کو وہ دن خدا دکھائے جب قوم سے ہماری کل دُور ہو برائی

آنکھیں کھلیں ہماری روشن دماغ ہوویں ہووے شعار اپنا تقوےٰ و پارسائی

دنیا سے دور ہوویں جتنے ہیں بت جہاں میں اللہ کی ہو عبادت جس کی ہے کل خدائی

قرآں کی حکومت دنیا میں ہووے قائم ہو کفر پارہ پارہ اور شرک رائی کائی

روشن ہو دینِ احمدؐ فضلِ خدا سے ہر دم جو ہیں جنم کے اندھے ان کو بھی دے دکھائی

دینِ محمدؐی کا اقبال خوب چمکے باطل پرست جو ہیں ان کی ہو جگ ہنسائی

توحید کا ہو دورہ تثلیث ہو شکستہ حق کی ہو بادشاہی باطل نہ دے دکھائی

قرآں کا نور چمکے کندن کی طرح دمکے سورج کی روشنی سے ہو بڑھ کے روشنائی

شر اور فساد جاوے دنیا میں امن آوے
بچے ہوں نیک بچے اور ہوں جوان صالح
ہر نشہ دور ہووے سچا مسرور ہووے
جھوٹے طبیب جائیں سچے امین آئیں
ہو صدق و راستی کا دنیا میں بول بالا
آپس میں ہو محبت جائے یہ بغض و نفرت
اب یہ دعا ہے میری دن رات صدق دل سے

ظاہر میں خیر و خوبی باطن میں ہو بھلائی
ہوں لائق زیارت دنیا میں باپ مائی
جو سود خوار ہیں یاں انکو ملے نہ پائی
دھوکہ سے جو نہ بیچیں مخلوق میں دوائی
ہو جھوٹ کی تباہی پھیلے یہاں سچائی
جو دلشکن ہیں ان میں آ جائے دلربائی
ناصر کی اس دعا کو حق تک ملے رسائی

حضرت میر صاحب کی بیعت

حضرت میر صاحب قبلہ کا تعلق تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس وقت سے تھا۔ جبکہ ابھی آپ نے کوئی دعویٰ بھی نہ کیا تھا۔ حضرت میر صاحب سٹھیالی والی نہر پر اورسیر تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہُوا کرتے تھے۔ اور آپ اس وقت کے اخلاص و محبت سے کبھی بعض تحایف بھی لے آتے تھے۔ اور پھر رشتہ کے بعد بھی ایک دوسرا تعلق بھی قائم ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ کی وحی سے مسیح اور مہدی ہونیکا دعویٰ کیا۔ تو انکو پرانے اعتقادات کی بنا پر آپ سے اختلاف ہُوا۔ اور جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ وہ

الحب للہ والبغض للہ

کے عامل تھے۔ اونہوں نے دنیوی رشتہ کی ذرا بھی پروا نہ کر کے حضرت اقدس کی مخالفت کی۔ اور علے الاعلان مخالفت کی۔ یہ مخالفت انکی حنیفیت کی حقیقت کی موید و مظہر ہے۔ اُنہوں نے جب تک آپ کے دعاوی کو سمجھ نہیں لیا۔ محض رشتہ کے تعلقات کی بنا پر

قبول کرنے سے انکار کیا

اور نہ صرف انکار بلکہ اس انکار پر اصرار اور اصرار ہی نہیں مخالفت کا اظہار اپنے قلم سے کیا۔ مشہور مخالف مولوی محمد حسین صاحب نے انکی نظموں کو بڑے فخر سے اپنے رسالہ میں شائع کیا۔ لیکن ۱۸۹۲ء کا ماہ دسمبر حضرت میر صاحب قبلہ کے لئے **ابر رحمت** بنکر آیا۔ اور ان کے تمام حجاب دور ہو گئے

اور آخر وہ جسمانی تعلقات کے رشتہ سے آگے گذر کر

روحانی تعلقات میں بھی مضبوط ہو گئے

سالانہ جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے با صرار انکو بلایا۔ اور اس جلسہ کی شمولیت ہی ان کے لئے راہ نمائی ہو گئی۔ پھر ایسے آئے۔ کہ دنیا کی کوئی چیز ان کو اس مقام سے جنبش نہ دے سکی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ میں تو مقرب تھے ہی۔ بیعت کر کے روحانی رشتہ اور تعلق میں روز بروز قریب تر ہوتے گئے۔ اور اپنی روحانی ترقی میں ایک بلند منار پر چڑھنے لگے۔ اور آخر سلسلہ کی خدمت میں ایسے مصروف ہوئے کہ آخر وقت تک وہ اسی میں مصروف رہے۔ اس جلسہ پر آنے اور اس کے اثرات کا تذکرہ انہوں نے خود لکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی اس تحریک کی آپ اشاعت فرمائی۔ میں حضرت نانا جان کے سوانح کو نامکمل سمجھوں گا۔ اگر اس تحریر کو جو ان کے روحانی عروج کی ابتداء ہے یہاں درج نہ کروں۔ حضرت میر صاحب کا یہ بیان جو آج سے ۵۰ برس پیشتر انہوں نے شائع کیا تھا۔ انکی سیرۃ و اخلاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان نتائج کو میں پڑھنے والوں کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله یتوب علیه ان الله غفور رحیم ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیفیت جلسہ سالانہ قادیان ضلع گورداسپور تاریخ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء

بر مکان جناب مجدد وقت مسیح الزمان مرزا غلام احمد صاحب سلمہ الرحمٰن

اور اس پر بندہ کی رائے جو ملاقات مرزا صاحب موصوف اور معائنہ

جلسہ اور اہل جلسہ کے بعد قائم ہوئی

مرزا صاحب نے مجھے بھی باوجود یکہ ان کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ میں ان کا مخالف ہوں نہ صرف مخالف بلکہ بدگو بھی۔ اور یہ مکرر سہ کرر مجھ سے وقوع میں آچکا ہے۔ جلسہ پر بلایا اور چند خطوط جن میں

ایک رجسٹری بھی تھا۔ بھیجے۔ اگرچہ پیشتر بسبب جہالت اور مخالفت کے میرا ارادہ جانے کا نہ تھا۔ لیکن مرزا صاحب کے بار بار لکھنے سے میرے دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اگر مرزا صاحب اس قدر شفقت سے نہ لکھتے تو میں ہرگز نہ جاتا۔ اور محروم رہتا۔ مگر یہ انہیں کا حوصلہ تھا۔ آجکل کے مولوی تو اپنے سگے باپ سے بھی اس شفقت اور عزت سے پیش نہیں آتے ہیں، ۲۷ تاریخ کو دوپہر سے پہلے قادیان میں پہنچا۔ اسوقت مولوی حکیم نورالدین صاحب مرزا صاحب کی تائید میں بیان کر رہے تھے۔ اور قریب ختم کے تھے۔ افسوس کہ میں نے پورا نہ سنا۔ لوگوں سے سنا کہ بہت عمدہ بیان تھا۔ پھر حامد شاہ صاحب نے اپنے اشعار مرزا صاحب کی صداقت اور تعریف میں پڑھے لیکن چونکہ مجھے ہنوز رغبت نہیں تھی۔ اور میرا دل غبار آلودہ تھا۔ کچھ شوق اور محبت سے نہیں سنا۔ لیکن اشعار عمدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عنایت فرماوے۔

جب میں مرزا صاحب سے ملا۔ اور وہ اخلاق سے پیش آئے۔ تو میرا دل نرم ہوا۔ گویا مرزا صاحب کی نظر سرمہ کی سلائی تھی جس سے غبار کدورت میرے دل کی آنکھوں سے دور ہوگیا اور غیظ و غضب کے نزلہ کا پانی خشک ہونے لگا۔ اور کچھ کچھ دھندلا سا مجھے حق نظر آنا شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ باطنی بینائی درست ہوئی۔ مرزا صاحب کے سوا اور کئی بھائی اس جلسہ میں ایسے تھے۔ کہ جن کو میں حقارت اور عداوت سے دیکھتا تھا۔ اب ان کو محبت اور اُلفت سے دیکھنے لگا۔ اور یہ حال ہوا کہ کل اہلِ جلسہ میں جو مرزا صاحب کے زیادہ محب تھے۔ وہ مجھے بھی زیادہ عزیز معلوم ہونے لگے۔ بعد عصر مرزا صاحب نے کچھ بیان فرمایا۔ جس کے سننے سے میرے تمام شبہات رفع ہو گئے۔ اور آنکھیں کُھل گئیں۔ دوسرے روز صبح کے وقت ایک امرتسری وکیل[۱] صاحب نے اپنا عجیب قصہ سُنایا۔ جس سے مرزا صاحب کی اعلیٰ درجہ کی کرامت ثابت ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ وکیل صاحب پہلے سنت جماعت مسلمان تھے۔ جب جوان ہوئے رسمی علم پڑھا۔ تو دل میں بسبب مذہبی علم سے ناواقفیت اور علمائے وقت و پیرانِ زمانہ کے باعمل نہ ہونے کے شبہات پیدا ہوئے۔ اور تسلی بخش جواب کہیں سے نہ ملنے کے باعث سے چند بار مذہب تبدیل کیا۔ سُنّی سے شیعہ بنے۔ وہاں بجز تبرا بازی اور تعزیہ سازی کچھ نظر نہ آیا۔ آریہ ہوئے چند روز وہاں کا بھی مزا چکھا۔ مگر لطف نہ آیا۔ برہمو

[۱] (یہ بابو محکم الدین صاحب وکیل سے مراد ہے۔ عرفانی)

میں شامل ہوئے۔ ان کا طریق اختیار کیا۔ لیکن وہاں بھی مزا نہ پایا۔ نیچری بنے۔ لیکن اندرونی صفائی یا خدا کی محبت۔ کچھ نورانیت کہیں بھی نظر نہ آئی۔ آخر مرزا صاحب سے ملے۔ اور بہت بے باکانہ پیش آئے مگر مرزا صاحب نے لطف سے۔ مہربانی سے کلام کیا۔ اور ایسا اچھا نمونہ دکھایا۔ کہ آخر کار اسلام پر پورے پورے جم گئے۔ اور نمازی بھی ہو گئے۔ اللہ و رسول کے تابعدار بن گئے۔ اب مرزا صاحب کے بڑے معتقد ہیں۔

رات کو مرزا صاحب نے نواب[1] صاحب کے مقام پر بہت عمدہ تقریر کی۔ اور چند اپنے خواب اور الہام بیان فرمائے۔ چند لوگوں نے صداقتِ الہام کی گواہیاں دیں۔ جن کے روبرو وہ الہام پورے ہوئے۔ ایک صاحب نے صبح کو بعد نماز صبح عبداللہ صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خواب سُنایا۔ جبکہ عبداللہ صاحب خیر دی گاؤں میں تشریف رکھتے تھے۔ عبداللہ صاحب نے فرمایا۔ ہمنے محمد حسین بٹالوی کو ایک لمبا کُرتہ پہنے دیکھا۔ اور وہ کُرتہ پارہ پارہ ہو گیا۔ یہ بھی عبداللہ صاحب نے فرمایا تھا کہ کُرتے سے مُراد علم ہے۔ آگے پارہ پارہ ہونے سے عقلمند خود سمجھ سکتا ہے کہ گویا علم کی پردہ دری مراد ہے۔ جو آجکل ہو رہی ہے۔ اور معلوم نہیں۔ کہ کہاں تک ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ولی کو ستاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے۔ آخر پچھڑے گا۔ اب مجھے بخوبی ثابت ہوا۔ کہ وہ لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ جو بغیر ملاقات اور گفتگو کے مرزا صاحب کو دور سے بیٹھے دجال کذاب بنا رہے ہیں۔ اور انکے کلام کے غلط معنی گھڑ رہے ہیں۔ یا کسی دوسرے کی تعلیم کو بغیر تفتیش مان لیتے ہیں۔ اور مرزا صاحب سے اس کی بابت تحقیق نہیں کرتے۔ مرزا صاحب جو آسمانی شہد اگل رہے ہیں۔ اسکو وہ شیطانی زہر بتاتے ہیں۔ اور بسبب سخت قلبی اور حجاب عداوت کے دور ہی سے گلاب کو پیشاب کہتے ہیں۔ اور عوام اپنے خواص کے تابع ہو کر اس کے کھانے پینے سے باز رہتے ہیں۔ اور اپنا سراسر نقصان کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر اس عاجز کے قدیمی دوست یا پُرانے مقتدا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لوگوں کو مرزا صاحب سے ہٹانے اور نفرت دلانے میں مصروف رہے ہیں۔ جن کو پہلے پہل مرزا صاحب سے بندہ نے بدظن کیا تھا۔ جس کے عوض میں اس دفعہ

[1] نواب صاحب مالیر کوٹلہ جو اس وقت مع چند اپنے ہمراہیوں کے شریکِ جلسہ تھے۔ ۱۲

اُنھوں نے مجھے بہکایا۔ اور صراط مستقیم سے جُدا کر دیا۔ چلو برابر ہو گئے۔ مگر مولوی صاحب ہنوز در پے ہیں۔ اب جو جلسہ پر مرزا صاحب نے مجھے طلب کیا۔ تو مولوی صاحب کو بھی ایک مخبر نے خبر دی۔ اُنھوں نے اپنے وکیل کی معرفت مجھے ایک خط لکھا جس میں ناصح مشفق نے مرزا صاحب کو اس قدر بُرا بھلا لکھا اور ایسے ناشایستہ الفاظ قلم سے نکالے کہ جن کا اعادہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مولوی صاحب نے یہ بھی لحاظ نہ کیا۔ کہ علاوہ بزرگ ہونے کے مرزا صاحب میرے کس قدر قریبی رشتہ دار ہیں پھر دعویٰ محبت ہے۔ افسوس۔

اس جلسہ پر تین سو سے زیادہ شریف اور نیک لوگ جمع تھے۔ جن کے چہروں سے مسلمانی نور ٹپک رہا تھا۔ امیر۔ غریب۔ نواب۔ انجنیئر۔ تھانہ دار۔ تحصیلدار۔ زمیندار۔ سوداگر۔ حکیم۔ غرض ہر قسم کے لوگ تھے۔ ہاں چند مولوی بھی تھے۔ مگر مسکین مولوی۔ مولوی کے ساتھ مسکین اور منکسر کا لفظ یہ مرزا صاحب کی کرامت ہے۔ کہ مرزا صاحب سے مل کر مولوی بھی مسکین بنجاتے ہیں۔ ورنہ آج کل مسکین مولوی اور بدعات سے بچنے والا صوفی کبریت احمر اور کیمیائے سعادت کا حکم رکھتا ہے مولوی محمد حسین صاحب اپنے دل میں غور فرما کر دیکھیں۔ کہ وہ کہاں تک مسکینی سے تعلق رکھتے ہیں ہرگز نہیں۔ ان میں اگر مسکینی ہوتی۔ تو اس قدر فساد ہی کیوں ہوتا۔ یہ نوبت بھی کیوں گذرتی۔ اس قدر انکے متبعین کو ان سے عداوت اور نفرت کیوں ہوتی؟ اہلحدیث اکثر ان سے بیزار کیوں ہو جاتے۔ اگر مولوی صاحب اس میرے بیان کو غلط خیال فرمائیں۔ تو میں انہیں پر حوالہ کرتا ہوں انصافاً وایماناً اپنے احباب کی ایک فہرست تو لکھ کر چھپوا دیں۔ کہ جو ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مرزا صاحب کے مُرید مرزا صاحب سے محبت رکھتے ہیں۔ مجھے قیافہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ وقت عنقریب ہے۔ کہ جناب مرزا صاحب کی خاک پا کو اہل بصیرت آنکھوں میں جگہ دیں۔ اور اکسیر سے بہتر سمجھیں۔ اور تبرک خیال کریں۔ مرزا صاحب کے سینکڑوں ایسے صادق دوست ہیں۔ جو مرزا صاحب پر دل وجان سے قربان ہیں۔ اختلاف کا تو کیا ذکر ہے۔ رو برو اُف تک نہیں کرتے سر تسلیم خم ہے۔ جو مزاجِ یار میں آئے۔ مولوی محمد حسین صاحب زیادہ نہیں چار پانچ آدمی تو ایسے اپنے شاگرد یا دوست بتا دیں جو پوری پوری (خدا کے واسطے) مولوی صاحب سے محبت رکھتے ہوں اور دل وجان سے فدا ہوں۔ اور اپنے مال کو مولوی صاحب پر قربان کر دیں۔ اور اپنی عزت کو

مولوی صاحب کی عزت پر نثار کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ اگر مولوی صاحب یہ فرمادیں کہ سچوں اور نیکوں سے لوگوں کو محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ جھوٹوں اور مکاروں سے لوگوں کو اُلفت ہوتی ہے تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ اصحاب و اہل بیت کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی یا نہیں۔ وہ حضرت کے پورے پورے تابع تھے۔ یا ان کو اختلاف تھا۔ بہت نزدیک کی ایک بات یاد دلاتا ہوں۔ کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جو میرے اور نیز محمد حسین صاحب کے پیر و مرشد تھے۔ انکے مُرید اُن سے کس قدر محبت رکھتے تھے۔ اور کس قدر ان کے تابع فرمان تھے سُنا ہے۔ کہ ایک دفعہ اُنھوں نے اپنے ایک خاص مرید کو کہا کہ تم نجد واقعہ ملک عرب میں جاکر رسالہ توحید مصنفہ محمد بن عبدالوہاب نقل کر لاؤ۔ وہ مرید فوراً رخصت ہُوا۔ ایک دم کا بھی توقف نہ کیا۔ حالانکہ خرچ راہ و سواری بھی اس کے پاس نہ تھا۔ مولوی محمد حسین صاحب اگر اپنے کسی دوست کو بازار سے پیسہ دیکر دہی لانے کو فرمادیں۔ تو شاید منظور نہ کرے۔ اور اگر منظور کرے تو ناراض ہوکر اور شاید غیبت میں لوگوں سے گلہ بھی کرے ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ یہ نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ہر صدی میں ہزاروں اولیاء (جن پر اُن کے زمانہ میں کفر کے فتوے بھی ہوتے رہے ہیں) گذرے ہیں۔ اور کم و بیش انکے مُرید انکے فرمانبردار اور جان نثار ہوئے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے نیکوں کی خدا کے ساتھ دلی محبت کا۔ مرزا صاحب کو چونکہ سچی محبت اپنے مولا سے ہے۔ اس لئے آسمان سے قبولیت اُتری ہے۔ اور رفتہ رفتہ باوجود مولویوں کی سخت مخالفت کے سعید لوگوں کے دلوں میں مرزا صاحب کی الفت ترقی کرتی جارہی ہے۔ (اگرچہ ابو سعید صاحب خفا ہی کیوں نہ ہوں) اب اس کے مقابل میں مولوی صاحب جو آج* ماشاءاللہ آفتاب پنجاب بنے ہوئے ہیں۔ اپنے حال میں غور فرمادیں۔ کہ کس قدر سچے محب ان کے ہیں اور ان کے سچے دوستوں کا اندرونی کیا حال ہے۔ شروع شروع میں کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کبھی اچھے شخص تھے۔ مگر اب تو انہیں حبّ جاہ اور علم و فضل کے فخر نے عرشِ عزت سے خاکِ مذلت پر گرادیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اب مولوی صاحب غور فرمادیں۔ کہ یہ کیا پتھر پڑ گئے۔ کہ مولوی اور خصوصاً مولوی محمد حسین صاحب سرآمد علماء پنجاب (بزعم خود) سے لوگوں کو اس قدر نفرت کہ جس کے باعث مولوی صاحب کو لاہور چھوڑنا پڑا۔ موحدین کی جامع مسجد

* اس اشاعت کے وقت فوت ہو چکے ہیں۔ عرفانی۔

ہیں اگر اتفاقاً لاہور میں تشریف لے جاویں۔ تو مارے ضد اور شرم کے داخل نہیں ہو سکتے۔ اور مرزا صاحب
کے پاس (جو بزعم مولوی صاحب کافر بلکہ اکفر اور دجال ہیں) گھر بیٹھے لاہور۔ امرتسر۔ پشاور۔ کشمیر۔
جموں۔ سیالکوٹ۔ کپورتھلہ۔ لدھیانہ۔ بمبئی۔ ممالک شمال و مغرب۔ اودھ۔ مکہ معظمہ وغیرہ بلاد سے لوگ گھر
سے بوریا بدھنا باندھے چلے آتے ہیں۔ پھر آنیوالے بدعتی نہیں۔ مشرک نہیں۔ جاہل نہیں۔ کنگال
نہیں۔ بلکہ موحد۔ اہلحدیث۔ مولوی۔ مفتی۔ پیرزادے۔ شریف۔ امیر۔ نواب۔ وکیل۔ اب ذرا سوچنے
کا مقام ہے۔ کہ باوجود مولوی محمد حسین صاحب کے گرانے کے اور اکثر مولویوں سے کفر کے فتوے پر مہریں
لگوانے کے اللہ جلشانہٗ نے مرزا صاحب کو کس قدر چڑھایا اور کس قدر خلق خدا کے دلوں کو متوجہ کر دیا۔
کہ اپنا آرام چھوڑ کر۔ وطن سے جدا ہو کر۔ روپیہ خرچ کر کے قادیان میں آکر زمین پر سوتے بلکہ ریل
میں ایک دو رات جاگے بھی ضرور ہونگے۔ اور کئی پیادہ چلکر بھی حاضر ہوئے۔ مینے ایک شخص کے
بھی منہ سے کسی قسم کی شکایت نہیں سُنی۔ مرزا صاحب کے گرد ایسے جمع ہوتے تھے۔ جیسے شمع کے گرد
پروانے۔ جب مرزا صاحب کچھ فرماتے تھے۔ تو ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ قریباً چالیس پچاس شخص
اس جلسہ پر مرید ہوئے۔ مرزا احمد بیگ کے انتقال کی پیشگوئی کے پوری ہونیکا ذکر بھی مرزا صاحب نے ساری
خلقت کے روبرو سُنایا۔ جس کے بارے میں نور افشاں نے مرزا صاحب کو بہت کچھ برا بھلا کہا تھا۔
اب نور افشاں خیال کرے۔ کہ پیش گوئیاں اس طرح پوری ہوتی ہیں۔ یہ بات بجز اہل اسلام
کے کسی دین والے کو آجکل حاصل نہیں۔ اور مسلمان خصوصاً مخالفین سوچیں۔ کہ یہ خوب بات ہے کہ کافر
اکفر۔ دجال۔ مکار کی پیشگوئیاں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ پر افتراؤں کی طومار باندھ رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ
پوری کر دے۔ اور رسول اللہ صلعم کے (بزعم خود) نائبین کی باتوں میں خاک بھی اثر نہ دے اور انکو ایسا
ذلیل کرے۔ کہ لاہور چھوڑ کر بٹالہ میں آنا پڑے۔ افسوس صد افسوس آجکل کے ان مولویوں کی نابینائی پر
جو العلم حجاب الاکبر کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ اور بانیوجہ ایک ایسے برگزیدہ بندہ کا نام دجال
و کافر رکھتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالےٰ کو ایسی محبت ہے۔ کہ دین کی خدمت پر مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ بندہ
خدا آریہ۔ برہمو۔ عیسائیوں۔ نیچریوں سے لڑ رہا ہے۔ کوئی کا فرتاب مقابلہ نہیں لا سکتا۔ نہ کوئی
مولوی باوجود کافر۔ ملعون۔ دجال بنانے کے خلقت کے دلوں کو ان کی طرف سے ہٹا سکتا ہے۔ معاذ اللہ
عصاء موسیٰ و ید بیضا کو بزعم مولویان لیس رہا اور رسوا کر رہا ہے۔ نائبین رسول مقبول میں کوئی برکت کچھ

نورانیت نہیں رہی۔ اتنا بھی سلیقہ نہیں کہ اپنے چند شاگردوں کو بھی قابو میں رکھ سکیں۔ اور خلق محمدیؐ کا نمونہ دکھاکر اپنا شیفتہ بنالیں۔ کسی ملک میں ہدایت پھیلانا اور مخالفین اسلام کو زیر کرنا تو درکنار ایک شہر بلکہ ایک محلہ کو بھی درست نہیں کر سکتے۔ برخلاف اس کے مرزا صاحب نے شرقاً غرباً مخالفین اسلام کو دعوت اسلام کی اور ایسا نیچا کر دکھایا۔ کہ کوئی مقابل آنے جوگا نہیں رہا۔ اکثر نیچریوں کو جو مولوی صاحبان کے ہرگز اصلاح پر نہیں آسکے توبہ کرائی اور پنجاب سے نیچریت کا اثر بہت کم کر دیا۔ اب وہی نیچری ہیں۔ جو مسلمان صورت بھی نہیں تھے۔ مرزا صاحب کے ملنے سے مومن سیرت ہو گئے۔ اہلکاروں تھانہ داروں نے رشوتیں لینی چھوڑ دیں۔ نشہ بازوں نے نشے ترک کر دیئے۔ کئی لوگوں نے حُقّہ تک ترک کر دیا۔ مرزا صاحب کے شیعہ[1] مریدوں نے تبرا ترک کر دیا۔ صحابہ سے محبت کرنے لگے۔ تعزیہ داری۔ مرثیہ خوانی موقوف کر دی۔ بعض پیرزادے جو مولوی محمد حسین بٹالوی بلکہ محمد اسمٰعیل شہید کو بھی کافر سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب کے معتقد ہونے کے بعد مولانا اسمٰعیل شہید کو اپنا پیشوا اور بزرگ سمجھنے لگے۔ اگر یہ تاثیریں دجالین کذابین میں ہوتی ہیں۔ اور نائبین رسولؐ مقبول نیک تاثیروں سے محروم ہیں۔ تو بصد خوشی ہمیں دجالی ہونا منظور ہے پھلوں ہی سے تو درخت پہچانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی لوگوں نے صفات سے پہچانا۔ ورنہ اس کی ذات کسی کو نظر نہیں آتی۔ کسی تندرست ہٹے کٹے کا نام اگر بیمار رکھ دیں۔ تو واقعی وہ بیمار نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن پاک باز ہے۔ اور جس کے دل میں اللہ بعد رسولؐ کی محبت ہے۔ اسکو کوئی منافق۔ کافر۔ دجال وغیرہ لقب دے تو کیا حرج ہے۔ سفید کسی کے کالا کہنے سے کالا نہیں ہو سکتا اور چمگادڑ کی دشمنی سے آفتاب لائق مذمت نہیں۔ یزیدی عملداری سے حسینی گروہ اگرچہ تکالیف تو پا سکتا ہے۔ مگر نابود نہیں ہو سکتا۔ رفتہ رفتہ تکالیف برداشت کر کے ترقی کریگا۔ اور کرتا جاتا ہے۔ یعنی مولویوں کے سدِّ راہ ہونے سے مرزا صاحب کا گروہ مٹ نہیں سکتا۔ بلکہ ایسا حال ہے جیسا دریا میں بند باندھنے سے دریا رک نہیں سکتا۔ لیکن چند روز رکا معلوم ہوتا ہے۔ آخر بند ٹوٹے گا۔ اور نہایت زور سے دریا بہ نکلے گا۔ اور آس پاس کے مخالفین کی بستیوں کو بھی بہا لیجاویگا۔ آندھی اور ابر سورج کو چھپا نہیں سکتے۔ خود ہی چند روز میں گم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چند روز میں یہ غل غپاڑہ فرو ہو جائیگا۔ اور مرزا صاحب

[1] یعنی چند مرید مرزا صاحب کے ایسے بھی ہیں۔ جو پہلے شیعہ مذہب رکھتے تھے۔

کی صداقت کا سورج چمکتا ہوا نکل آویگا۔ پھر بکمبخت تو افسوس کر کے مرزا صاحب کے موافق ہوجاوینگے۔ اور پچھلی غلطی پر پچھتاوینگے۔ اور مرزا صاحب کی کشتی میں جو مثل سفینۂ نوح علیہ السلام کے ہے۔ سوار ہو جائیں گے۔ لیکن بدنصیب اپنے مولویوں کے مکر اور غلط بیانی کے پہاڑوں پر چڑھ کر جان بچانا چاہینگے۔ مگر ایک ہی موج میں غرق بحر ضلالت ہو کر فنا ہو جاویں گے۔ یاالٰہی ہمیں اپنی پناہ میں رکھ اور فہم کامل عنایت فرما۔ امت محمدی کا تو ہی نگہبان ہے۔ حجابوں کو اُٹھا دے۔ صداقت کو ظاہر فرما دے۔ مسلمانوں کو اختلاف سے راہ راست پر لگا دے۔ آمین یارب العالمین ؁

العلم حجاب الاکبر جو مشہور قول ہے۔ اس کی صداقت آجکل بخوبی ظاہر ہو رہی ہے پہلے اس قول سے مجھے اتفاق نہ تھا۔ لیکن اب اس پر پورا یقین ہوگیا۔ جس قدر مرزا صاحب کے مخالف مولوی ہیں۔ اس قدر اور کوئی نہیں۔ بلکہ اوروں کو عالموں ہی نے بہکایا ہے۔ ورنہ آجتک ہزاروں بیعت کر لیتے۔ اور ایک جم غفیر مرزا صاحب کے ساتھ ہو جاتا۔ لیکن مخالفت کا ہونا کچھ تعجب نہیں کیونکہ اگر ایسا زمانہ جس میں اس قسم کے فساد ہیں۔ جس کی نظیر پچھلی صدیوں میں نامعلوم ہے۔ نہ آتا تو ایسا مصلح بھی کیوں پیدا ہوتا۔ دجال ہی کے قتل کو عیسٰے تشریف لائے ہیں۔ اگر دجال نہ ہوتا۔ تو عیسٰے کا آنا محال تھا۔ اور دنیا گمراہ نہ ہو جاتی تو مہدی کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کام کو اس کے وقت پر کرتا ہے یا اللہ تو ہمیں اپنے رسول کی اپنے اولیاء کی محبت عنایت کر اور بے یقینی اور تردّدات سے امان بخش۔ صادقین کے ساتھ ہمیں الفت دے۔ کاذبوں سے پناہ میں رکھ۔ ہماری انانیت دُور کر دے اور حرص و ہوا سے نجات بخش۔ آمین یارب العالمین ؁

راقم ناصر نوابؔ۔ تاریخ ۲ جنوری ۱۸۹۳ء

حضرت میر صاحب کی زندگی کا نیا دور

علیہ سنہ ۱۸۹۲ء پر حضرت میر صاحب کی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب ہوا۔ جیسا کہ خود انہوں نے بیان کیا ہے۔ وہ اس سے پہلے سلسلے کے مخالف تھے۔ لیکن اب انہوں نے **حیات تازہ پائی**۔ اور وہ سلسلہ کے ایک مخلص اور وفادار خادم کی طرح نمودار ہوئے۔ اس تاریخ کے بعد انکی زندگی میں کوئی لمحہ اور ساعت ایسی نہیں آئی۔ کہ انہیں کسی قسم کا ابتلاء آیا ہو۔ سلسلہ کی تاریخ میں اس کے بعد کئی موقعے ایسے آئے۔ کہ بعض بڑے بڑے لوگوں کو ابتلاء آیا۔ اور بعض ان میں سے اپنی بدقسمتی سے سلسلہ سے الگ ہوئے۔ مگر حضرت میر صاحب کو کبھی کسی قسم کا وسوسہ پیدا نہیں ہوا۔ ان ٹھوکر کھانے والوں میں بعض اوقات وہ لوگ بھی تھے۔ جن کے ساتھ انکے سالہا سال کے مذہبی اور اپنے صیغہ ملازمت کے تعلقات تھے۔ مثلاً منشی الٰہی بخش صاحب منشی عبدالحق لاہوری۔ حافظ محمد یوسف امرتسری ان کے ساتھ محکمہ کے تعلقات ہی نہ تھے بلکہ حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ کے زمانہ سے انکے واقف اور دوست تھے۔ لیکن جب انہوں نے سلسلہ سے قطع تعلق کیا۔ تو حضرت میر صاحب کو ان سے قطع تعلق کرلینا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اسی طرح اپنے بعض عزیزوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے زمانہ اہلحدیث کے تعلقات تھے۔ ان سب کو توڑ دیا۔ اسلئے کہ خدا کے لئے ان سے توڑنا ہی ضروری تھا۔ پنشن لیکر آجانے کے بعد انہوں نے اپنی عملی زندگی سے دکھایا۔ کہ وہ

سلسلہ کیلئے ہر خدمت کرنے پر آمادہ ہیں

اور اپنی زندگی کے آخری دم تک وہ سلسلہ کے خادم رہے۔ اور بنی نوع انسان کی بھلائی کے خیال کو ایک لمحہ کے لئے بھی انہوں نے ترک نہ کیا۔ ایسی مبارک زندگی ہر شخص کو نہیں ملتی۔ اور آج مرنے کے بعد بھی نیکی کے متعدد کام بطور صدقہ جاریہ انکے اعمال حسنہ میں اضافہ اور انکے مدارج میں ترقی کا موجب ہیں۔ منجملہ انکے ایک **ناصر وارڈ** جس کو آج نور ہسپتال کہا جاتا ہے۔ یہ خیال سب سے اوّل حضرت میر صاحب کو ہی آیا۔ میں پہلے بھی اس کا مختصر ذکر کر آیا ہوں۔ اس کی اہمیت کے لئے میں ایسا ہی [illegible]

ناصر وارڈ

کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا۔ اسے یہاں دیدوں۔

ناصر وارڈ

میر ناصر نواب کو جو آجکل انجمن ضعفاء کے سرگرم ممبر ہیں۔ ایک جوش پیدا ہوا۔ کہ ان بیماروں کے لئے ایک وسیع مکان بنانا ضروری ہے۔ تاکہ ڈاکٹر اور طبیب ایک ہی جگہ انکو دیکھ لیا کریں۔ اور ان کی تیمارداری میں کافی سہولت ہو۔ ان کی اس جوش بھری خواہش کو میں نے محسوس کر کے ایک سو روپیہ کا وعدہ ان سے بھی کر لیا ہے۔ اور ننانوے روپے نقد بھی دیئے۔ ایک پُرانی رقم ساٹھ روپیہ کی جو اس کام کے لئے جو میں نے جمع کی اس کے بھی نکلوا دینے کا وعدہ کیا۔ اس جوش بھرے مخلص نے قادیان کی بستی مخالفوں اور موافقوں ہندو اور مسلمان۔ دشمن و دوست سب کو چندہ کے لئے تحریک کی۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس کا اثر تھا۔ کہ رات کے وقت میری بیوی نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ آج جو میر صاحب نے تحریک کی ہے۔ اس میں میں نے سچے دل اور کامل جوش اور پورے اخلاص سے چندہ دیا ہے۔ اور میں چاہتی ہوں۔ کہ اگر ایسے مکان کے لئے ہمارے کوئی مکان کسی طرح بھی مفید ہو سکیں۔ تو میں اپنی خام حویلی دینے کو دل سے تیار ہوں۔ یہ سب کچھ میر صاحب کے اخلاص اور دلی جوش کا نتیجہ تھا۔ میں نے اس سچے عقد ہمت اور جوش کو دیکھ کر ایک ایسے آدمی سے جو میرے خیال میں کبھی چندہ میں شریک نہیں ہوا۔ اور غالباً وہ چندوں سے متنفّر بھی ہے۔ یہ کہا کہ ایسے جوش سے اگر آپ لوگ عربی میں دینیات میں تعلیم کے واسطے پُر جوش کوشش کرتے۔ تو آپ بھی یقیناً بہت بڑے کامیاب ہو جاتے۔

حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کی تائید اور اظہار پسندیدگی

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ ایک ہی دفعہ نہیں متعدد مرتبہ حضرت میر صاحب کی مساعی جمیلہ کو سراہا اور جماعت کو اس میں حصہ لینے کی تحریک فرمائی۔ میں نے ایک مرتبہ ۱۹۰۹ء میں حضرت میر صاحب کے کاموں میں امداد کے لئے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ایک گرامی نامہ کی تحریک پر ایک نوٹ لکھا تھا۔ اس کی چند سطریں اور وہ گرامی نامہ بھی **حیات ناصر** کا ایک جزو ہے۔ اور اس مقام کیلئے موزوں ہے۔

پچھلے دنوں میرے محترم مخدوم حضرت میر ناصر نواب صاحب نے مسجد۔ ہسپتال زنانہ و مردانہ کے لئے چندہ کی تحریک کی۔ اور اس غرض کے لئے دو پندرہ ہزار جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے قادیان کے رہنے والے مہاجرین میں سے **ضعفاء** کی اعانت اور ہمدردی کے لئے قدم اُٹھایا اور باضابطہ ایک

انجمن ضعفاء قائم کی۔

اس کے ذریعے سے جو کام ہوا ہے۔ وہ ان غریبوں اور ضعیفوں سے پوچھنا چاہیئے۔ جو اس سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ ان کی تکالیف میں مکانات کا ہونا حضرت میر صاحب موصوف نے درد دل سے محسوس کیا۔ شاید آرام سے برقی پنکھوں کے نیچے بیٹھنے اور برف اور سوڈا واٹر کے پینے والے ان بے گھروں کی تکلیف کا اندازہ نہ کر سکیں۔ مگر وہ شخص جسے مکان نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف ہو۔ وہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ کیا دکھ ہوتا ہے۔ اس تکلیف کو محسوس کر کے میر صاحب نے کم از کم سردست دس ایسے گھر بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس تجویز کو حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا پسند فرمایا۔ کہ خود اس میں دس روپیہ چندہ علاوہ دیا۔ میں نے اس خیال سے کہ دوسرے احباب کو بھی اس نیکی کی تحریک میں شامل کیا جاوے۔ اس مضمون کو لکھنا ضروری سمجھا۔ اور اس کی تکمیل کے لئے میں حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر آخر میں درج کرتا ہوں یہ یاد رکھو۔ کہ بے شک قحط سالی کے اثر کے نیچے ہم ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی رضا اور اپنے غریب بھائیوں کی امداد کے لئے بھی ایسے ہی وقت میں ہاتھ بڑھانے کا ثواب قابل رشک ہے۔ جو صاحب ان چندوں میں جو مسجد اور ہسپتال مردانہ اور زنانہ اور ضعیفوں کے گھروں کے لئے تجویز ہوئے ہیں۔ اور جن کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے دو سو ساٹھ روپے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ستر نقد بھی دیئے ہیں۔ شریک ہونا چاہیں۔ وہ براہ راست حضرت میر ناصر نواب صاحب کے نام قادیان میں روپیہ بھیجدیں۔ اب حضرت خلیفۃ المسیح صاحب کی تحریر ذیل میں چھاپ دیتا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا ارشاد عالی

مکرم معظم حضرت میر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔

آپ کے کاموں اور خواہشوں کو دیکھ کر میری خواہش ہوتی۔ اور دل میں بڑی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ کہ جس طرح آپ کے دل میں جوش ہے۔ کہ شفاخانہ زنانہ۔ مردانہ۔ مسجد اور دار الضعفاء کے لئے چندہ ہو۔ اور آپ ان میں سچے دل سے سعی و کوشش فرما رہے ہیں۔ اور بحمد اللہ آپ کا اخلاص۔ صدق و سچائی کا نتیجہ نیک ظاہر ہو رہا ہے۔ اور ان کاموں میں آپ کے ساتھ والے قابل شکر گذاری پر جوش ہیں۔ آرزو ہے تمام مومنوں کی کہ ہوویں ایسے ہی پیدا ہوں۔

وما ذالک علی اللہ العزیز۔

(نور الدین۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء)

حضرت میر صاحب قبلہ بہ حیثیت لیکچرار

حضرت میر صاحب قبلہ جیسا کہ مینے لکھا ہے۔ کہ باقاعدہ مناظر نہ تھے۔ مگر جب وہ سلسلہ کے متعلق کسی کے اعتراضوں کا جواب دیتے تو انہیں ذرا بھی جھجک اور خوف نہ ہوتا تھا۔ وہ بڑے سے بڑے مولوی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ دنیوی علوم پر نہ انہیں گھمنڈ تھا۔ نہ اُنہوں نے باقاعدہ ان کی تحصیل کی تھی۔ مگر اس میں ذرا بھی کلام نہیں۔ کہ ان کا طریق استدلال نہایت صاف اور سادہ ہوتا تھا منطقی فضلیاں اور مولویانہ کٹ حجتیاں اس میں نہ ہوتی تھیں۔ وہ بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ کلام کرتے تھے۔ اسی طرح وہ زمانہ حال کے لیکچراروں کی طرح لیکچرار نہ تھے۔ مگر اپنے مضمون پر نہایت عمدگی سے بولتے اور حاضرین کے ذہن نشین کر دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ پر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھی تقریر کے لئے موقعہ دیا۔ آپ کی تقریر عام فہم ہی نہ تھی۔ بلکہ نہایت ضروری اور اہم تھی۔ آپنے الدین نصح کے مضمون پر تقریر کی۔ لیکچر کے ابتداء میں آپنے دنیا کی عام حالت اور اہل حرفہ کی قابل اصلاح صورت پر روشنی ڈالی۔ کس طرح ایک درزی۔ ایک زرگر۔ ایک دھوبی وغیرہ اپنے اپنے پیشوں اور حرفوں میں باوجود حلال اور طیب کسب کہنے کے خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور پھر جماعت کو اس کے عام فرائض کی طرف ایسی عمدگی سے توجہ دلائی۔ کہ ہر شخص جزاک اللہ و مرحبا کہتا تھا۔ چونکہ ان کا یہ ایک ہی پبلک لیکچر کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے میں اس کے آخری حصہ کو یہاں درج کر دیتا ہوں۔

امابعد واضح ہو۔ کہ دنیا میں ضرورت کے وقت ہر ایک جسمانی و روحانی سلسلہ قائم ہوا کرتا ہے (یہ سنت اللہ ہے۔) ایک مدت تک اس کا قیام رہتا ہے۔ آخر بسبب لوگوں کی ناشکری اور سُستی اور شرارت کے وہ سلسلہ برباد ہو کر دوسرا سلسلہ پیدا اور جاری ہو جاتا ہے۔

بموجب مفہوم آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ اللہ تعالےٰ کسی قوم کو بناکر برباد نہیں کرتا نہ کسی فرقہ کو عزت دیکر ذلت دیتا ہے۔ نہ کسی کو دولت بخش کر فقیر کرتا ہے۔ نہ کسی کو ملک دیکر چھینتا ہے۔ نہ کسی کو علم و ہنر عطا کرکے بے ہنر و جاہل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی تباہی کے اسباب نہ پیدا کریں۔ اور اپنی نیک نیتوں کو بدنیتوں کے ساتھ تبدیل کریں۔ اور اپنے نیک افعال کو بدافعالی میں نہ بدل لیں۔ اور اپنی چُستی کو سُستی بنائیں۔ جب ان کی شرارتوں اور بدافعالیوں کی حد ہو جاتی ہے۔ اور وہ باز نہیں آتے اور توبہ و استغفار نہیں کرتے۔ تب خدا اُن پر عذاب

نازل کرتا ہے۔ اور ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب سے انکی حالت کو بدل دیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قہر کی آگ تب بھڑکتی ہے۔ جب لوگ اپنے گناہوں کا ایندھن خود جمع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیتا ہے۔

یاد رکھو۔ کہ فقط اس سلسلہ میں داخل ہونے سے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام و خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے نجات نہیں ہوتی۔ جب تک پورے پورے قرآن شریف کے محکوم نہ بنو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار نہ کرو۔ اور اپنے مسیح کے فرمودہ کے موجب راہ نہ پکڑو۔ اور متقی اور محسن نہ ہو جاؤ۔ اور اپنی شیطانی برادری اور پچھلے دوستوں سے علیحدگی نہ کرو۔ اور اپنی پچھلی کرتوت بکلی نہ چھوڑو۔ ورنہ تم میں اور ان میں فرق ہی کیا ہے۔ اعمال اور اوصاف سے ان میں اور اپنے میں فرق کر کے دکھاؤ۔ بغیر شاہد کے عادل شہادت منظور نہیں ہوتی۔ زبانی لاف وگزاف کسی کام کی نہیں جب تک اعمال اس پر گواہی نہ دیں۔ اگر تم نے اعمال صالحہ سے اپنے عقائد کی تصدیق نہ کی۔ تو تم میں اور یہود منش مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔ اور تمہیں احمدی ہونیکا کیا فخر ہے۔ بلکہ زبانی احمدی ہونا تمہارے لئے باعث تباہی وخرابی ہے۔ وہ تو اندھے ہیں تم آنکھوں والے ہو کر پھر اندھے بنتے ہو۔ وہ تو بے خبر ہیں تم خبر دار ہو کر بے خبری اختیار کرتے ہو۔ لہذا تم ضرور اپنی اس غفلت یا شرارت کا خمیازہ بھگتو گے۔ اور خدا کی نظر میں بدعہد اور بدکردار ٹھیرو گے۔ اور خدا کا غضب تم پر ان سے پہلے نازل ہو گا۔ اور تم بھی عذاب الٰہی کے شکار ہو گے۔ اور تمہیں بھی طاعون ہلاک کریگی۔ نیز دنیا میں بھی تمہاری عزت برباد ہو جاویگی۔ اور تمہارا رُعب نہیں رہے گا۔ تم اپنے امام کے نصائح پر عمل کرو۔ تقوٰی اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ خدا سے ہر وقت ہراساں وترساں رہو۔ توبہ واستغفار کو اپنا وظیفہ بناؤ۔ نیک کام کرو حلال روزی کھاؤ دنیا کو حلال طریقہ سے کماؤ۔ اور پاک طرز سے اسے استعمال کرو۔ فخر وتکبر ریا۔ فریب خود غرضی سے پرہیز کرو۔ جھوٹ سے ایسی نفرت کرو۔ جیسے سؤر سے کرتے ہو۔ وعدہ خلافی ہرگز نہ کرو۔ کہ اس سے خدا تعالیٰ اور اس کے بندے نفرت کرتے ہیں۔ تاویلوں سے بُرے کام کو اچھا نہ بناؤ۔ کہ یہ یہود کا شیوہ ہے۔ یہ مسیح کی جماعت کا طریقہ نہیں ہونا چاہیئے۔

زنا اور اس کے متعلقات سے ایسا بچو جیسا کہ سانپ سے ڈر کر بھاگتے ہو۔ کیونکہ سانپ کا کاٹا ہوا تو کبھی بچ بھی سکتا ہے۔ مگر زنا کا مارا ہوا بُری موت سے مرتا ہے۔ کسی سے دشمنی نہ رکھو خصوصاً احمدی

بھائیوں سے کل زمانہ کو چھوڑ تم نے اپنی احمدی برادری کے لئے پھر اگر اس برادری میں بھی پھوٹ اور دشمنی ہوگی۔ تو آرام کس طرح پاؤ گے۔ سارا جہان تو دشمن ہے۔ گھر میں تو محبت اور شفقت اختیار کرو۔ ورنہ تم سے زیادہ بے نصیب اور کون ہوگا۔ بقول شخصے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

محبت کو بڑھاؤ۔ جو خدا کے لئے دو شخص آپس میں محبت کرتے ہیں۔ انہیں قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی۔ جہاں اور کوئی سایہ نہیں پہنچیگا۔ دنیا میں بھی جس کے دوست زیادہ ہیں۔ وہ امن و آسایش سے رہتا ہے۔ جس کے دشمن زیادہ ہیں۔ وہ بلاؤں میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس لئے دوست زیادہ بناؤ۔ دشمنوں کی تعداد کو گھٹاؤ۔ اگر ایک لاکھ خرچ کرکے بھی ایک دوست میسر آوے۔ تو سودا سستا ہے۔ دشمن بنانا تو آسان ہے۔ دوست بنانا مشکل ہے۔ تم احباب کے دائرہ کو وسیع کرو۔ اور دشمنی کے دائرہ کو ایسا تنگ کرو۔ کہ گویا مٹا ہی دو۔ تم سود سے ایسا پرہیز کرو۔ جیسا کہ سؤر سے۔ اگرچہ احمدی احباب سود بہت کم کھاتے ہیں۔ مگر کھلانے والے بہت ہیں۔ اور سمجھدار اور باوقار احباب بھی اس میں مبتلا ہیں۔ ایک صحابی کا تو نام لو۔ کہ وہ بعد ممانعت کے سود کھاتا تھا۔ یا کھلاتا تھا۔

جب تمہارا امام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہیں۔ اور خلیفۃ المسیح ابوبکر صدیق کا تو تم میں سے ہر ایک شخص صحابی کا بروز ہوگا۔ کہنے کو تو صحابہ کا نمونہ ہو اور کام انکے برخلاف کرو۔ حیف ہے۔

تمہاری وضع ظاہری بھی مسلمانوں جیسی ہو۔ دور سے پہچانے جاؤ۔ کہ مسلمان ہو۔ انگریزی لباس مع ٹوپی نہ پہنو۔ کہ اس میں کوئی خوبی نہیں بلکہ دھوکہ لگتا ہے۔

ڈاڑھی نہ منڈاؤ۔ دھوتی نہ باندھو کہ ہندو معلوم نہ ہو۔ پاجامہ ٹخنے سے نیچے نہ لٹکاؤ کہ اس کی اسلام میں مخالفت ہے۔ شملہ ضرور چھوڑو کہ یہ سنت ہے۔ السلام علیکم کھلے دل سے کہا کرو۔ بیمار پرسی اور جنازہ کے ساتھ جانا اور کی دعوۃ قبول کرنا یہ کام بھی نہایت ضروری ہیں۔ بلکہ آپس میں ان کاموں کی ایک دوسرے کو تاکید کرو۔ تسبیح و مصلٰی ساتھ نہ لئے پھرو۔ کہ یہ دکھاوا ہے۔

یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافہ

اے مسلمانو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ادھورا کوئی کام اچھا نہیں تھوڑا سا بھی نقص بڑی خرابی پیدا کرتا ہے۔ روٹی اگر کچی رہجاوے۔ تو پیٹ میں اور درد پیدا کرتی ہے۔ اور چاول اگر ذرا خام رہجائیں۔ تو کھانے والے کو ہلاک کردیتے ہیں۔ اسی طرح دین میں بھی نقص جہنم میں داخل کرتا ہے۔

مناسب ہے کہ جس طرح حضرت صاحب نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اس پر مضبوط ہو کر چلو۔ آپس میں یک دل و یک زبان رہو۔ اور دشمنوں سے پرہیز کرو۔ اپنے امام کے اعداء کو لڑکیاں نہ دو۔ کہ اس میں احمدیوں کی ہتک ہے۔ اور ان بیچاریوں پر ظلم۔

ہر ایک جماعت اپنے اپنے مقام میں ایک مسجد ضرور بنا دے۔ جماعت سے نماز کا اہتمام کرو۔ کہ اس میں بہت برکت ہے۔ شیعہ کی طرح علیحدہ علیحدہ نمازیں نہ پڑھا کرو۔ کہ یہ اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں۔ جماعت سے رہتے رہتے کسی دن نماز سے ہی رہ جاؤ گے۔

زکوٰۃ اسلام کا ضروری فرض ہے۔ اس کے ادا کرنے میں سستی نہ کرو۔ ورنہ تمہارے رہتے سہتے مال بھی غارت ہو جائیں گے۔ زکوٰۃ امام کی موجودگی میں علیحدہ علیحدہ دینا ٹھیک نہیں۔ بلکہ احسن طریق یہ ہے کہ خلیفۃ المسیح صاحب کی خدمت میں قادیان میں سالانہ یا ماہانہ ارسال کیا کرو۔ اور اس فرض سے احسن طریق سے سبکدوش ہوا کرو۔ اگر اس طرح نہ کرو گے۔ تو شاید دینے کے بھی نہیں۔ اور خدا کے عذاب میں گرفتار ہو کر خوار ہو جاؤ گے۔ اور تمہارے اموال میں برکت نہیں رہے گی۔ نیز قادیان کے ضعفاء کا بھی خیال رکھا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کل باہر رہنے والوں کو ضعفاء مدینہ منورہ کی امداد کے لئے تاکید فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ امراء سے ضعفاء کے لئے زور سے چندہ لیتے تھے۔ یہ قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

حج بیت اللہ بھی ایک ضروری فرض ہے۔ جس کا رواج ہماری احمدی جماعت میں بہت کم ہے۔ ہماری جماعت اس فرض کے ادا سے بالکل غافل نہیں۔ مگر اس کام میں زیادہ جوشیلی نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ اس فرض کو بھی خدا کا فرض سمجھ کر احمدی مالدار ضرور ادا کیا کریں۔ انشاء اللہ اس عاجز کا ارادہ امسال حج کا ہے۔ جو بھائی امسال جانا چاہیں۔ وہ اپنا نام لکھوا دیں۔ تاکہ ہم اکٹھے حج کو چلیں۔ اور سب ایک جہاز میں سوار ہوں۔ اور علاوہ ثواب حج کے ایک دوسرے کی خدمت کا ثواب حاصل کریں۔ اور دکھ درد میں آپس میں کام آویں۔ اور یہی ایک اہم فرض ہے۔ خصوصاً امراء کے لئے جن میں سستی بہت ہوتی ہے۔ اور عیش پسندی کے سبب سے بیمار بنے رہتے ہیں۔ نیز زمینداروں کو بڑی مشکلات آتے ہیں۔ مگر اس فرض کا ادا کرنا بہت ضروری ہے کسل کے سبب سے روزہ سے جہاں چرانی اور حیلہ و حوالہ سے روزہ سے بچنا مسلمانوں کا کام نہیں۔ بیمار اور مسافر کو روزہ رکھنا بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔ جیسا کہ تندرست کو نہ رکھنا۔ ہمیں ہر پہلو سے اسلام پر قائم ہونا چاہیئے۔

تکلف بھی ایک سخت عیب ہے۔ اس سے بچو۔ مہمانداری سنت انبیاء ہے۔ اسے اختیار کرو۔ تمہارے ہاں نیک اسلام ہو۔ مسافر پروری اور مہمان نوازی بڑا پیارا طریقہ ہے۔ جس کو اکثر لوگوں نے ترک کر دیا ہے۔ تم اس پاک عادت کو نہ چھوڑو۔ تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو۔

الصدقۃ تطفی غضب الرب۔ صدقہ خدا تعالیٰ کے غضب کو دور کرتا ہے تم صدقات وخیرات کی عادت کرو۔ تاکہ قہر الٰہی تم سے دور رہے۔ اور سر سبز و نہال ہو۔ اور تم پر کوئی بلا نازل ہو۔ تمہارے دشمنوں کے وار خالی جاویں۔ اور کوئی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اپنی آمد سے زیادہ خرچ کو نہ بڑھاؤ۔ اور اسراف سے بچو۔ ورنہ شیطان بن جاؤ گے۔ اور ناشکری کی سزا پاؤ گے۔ قرضدار ہو گے۔ پھر وعدہ خلاف اور جھوٹے ہو گے۔ آخر دنیا اور دین میں ذلیل ہو جاؤ گے۔ پھر پچھتاؤ گے۔ پہلے سوچکر کام کرو۔ تاکہ انجام کار ندامت نہ اٹھانا پڑے۔ اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ اُٹھاؤ۔ جس قدر خدا نے تمہیں بخشا ہے۔ اس میں گذارہ کرو۔ کسی کی ریس نہ کرو۔ ورنہ کسی ابتلاء میں مبتلا ہو گے۔ اور شرمندگی اُٹھاؤ گے۔ توبہ و استغفار کو اپنا وظیفہ بناؤ۔ قرآن شریف کی تلاوت کا ورد رکھو۔ بامعنی قرآن شریف پڑھو۔ اور سیکھو۔ درود اور کلمہ کی کثرت رکھو۔ تاکہ تم پر خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔ الحمد شریف ہی جس قدر ہو سکے پڑھا کرو۔

خُدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھو۔ اپنی چالاکی اور ہُنر پر مغرور نہ ہو۔ دین و دنیا کی فلاح خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ نہ کسی کے علم و ہنر و لیاقت پر۔ دُعا آفات کو ٹالتی ہے۔ دعا ہر مشکل کو حل کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں۔ دعا اور صدقہ سے دین و دنیا میں نجات ملتی ہے۔ بڑی بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ عالی سے عالی مرتبہ دین و دنیا میں حاصل ہوتا ہے۔ خدا ہی دُعا سے ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتے ہو۔

ماں باپ کی خدمت کیا کرو۔ ان کی دعائیں لیا کرو۔ دنیا و دین کی بہتری حاصل کرنیکا یہ مجرب نسخہ ہے۔ بڑوں کی عزت کرو۔ چھوٹوں پر شفقت فرماؤ۔ صلہ رحم کی قرآن شریف میں نہایت تاکید ہے۔ جو قطع رحم کرتا ہے۔ خدا کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔ نرمی بڑی عمدہ صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں نرمی کی عادت عطا فرماوے۔ مجھے اس کی آخر عمر میں قدر معلوم ہوئی ہے۔ اور تھوڑا سا میں نے اسے اختیار کیا ہے۔ اس میں بہت فوائد ہیں۔ جو پورا اس پر عمل کریگا۔ وہ پورا فائدہ اُٹھائیگا۔

بدگمانی سخت عیب ہے۔ لیکن یہ مرض اس قدر ہے۔ کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ لوگ خدا تعالیٰ پر بھی بدگمان ہیں۔ رسولوں پر بھی بدگمان تھے۔ اور ہیں۔ آپس میں بھی بدگمانی کرتے ہیں۔ ماں باپ پر بھی لوگ باوجود اسقدر شفقت وکرم کے بدگمان ہوتے ہیں۔ میاں بیوی میں بدگمانی عام ہے۔ خدا تعالیٰ اس مرض سے تمہیں اور ہمیں بچاوے۔ اور محفوظ رکھے آمین۔ تہجد کی نماز بہت عمدہ ذریعہ نجات و ترقی دارین ہے۔ اگر خدا تعالیٰ توفیق بخشے۔ تو پڑھا کرو۔ پَو پھٹنے سے پہلے عجیب عالم نور ہوتا ہے۔ اس وقت دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور ترقی مدارج کے حاصل کرنے کا بہت عمدہ وقت ہے۔ وقتوں میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ تہجد کے وقت سے زیادہ قبول دعا کا اور کوئی وقت نہیں ہے۔ کسی نے کیا اچھا شعر کہا ہے۔ شعر

صبح صادق مرہم کافور دارد در بغل ؛ گر علاج زخم عصیاں میکنی بیدار باش

صاف دل اور پاک باطن بنو۔ دھوکہ بازی اور ریاکاری سے پرہیز کرو۔ خصوصاً جس قدر ہو اس سے زیادہ اپنے آپکو نیک و پاک ظاہر نہ کرو۔ تاکہ لوگ تمہاری تعظیم کریں۔ اور دوست بن کر کسی سے دشمنی نہ کرو۔ دل اور زبان کو موافق بناؤ۔ اور دھوکہ سے روپیہ نہ کماؤ۔ آخر ایک دن مرنا ہے۔ دنیا میں تو احمدی بنکر گالیاں کھا رہے ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ سے ایسا سچا تعلق پیدا کرو۔ کہ وہ تم پر رحمتیں بھیجے۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا کی لعنت کے ساتھ خدا کی لعنت پڑے۔ پھر کہیں ٹھکانا نہیں ملنے کا۔ متفق رہو۔ اتفاق سے کام کرو۔ اگرچہ اب مسیح تو تم میں نہیں ہے۔ لیکن اس کا خلیفہ تو موجود ہے۔ اس کے حکم سے باہر ذرہ نہ ہو۔ دنیاوی کام ہو یا دینی اس کو صلاح سے کیا کرو۔ اسی کے حکم اپنے پر مقدم رکھو۔ کیونکہ خدا نے اسے خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ اس سلسلہ میں خلفاء مقرر فرماتا رہے گا۔ تب ہی تک یہ سلسلہ حق پر رہیگا۔ جس دن انسانی ہاتھوں میں یہ کام آویگا۔ تو سلسلہ تباہ ہو جاوے گا۔ یہ وقت غنیمت ہے۔ اس کو غنیمت سمجھو۔ ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو ؛ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔

میں نے تمہیں موٹی موٹی باتیں سنائی ہیں۔ اس کے دو باعث ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجھے باریک مسائل اور قرآن شریف کے حقائق و معارف آتے نہیں۔ نہ مجھ پر وارد ہوتے ہیں۔ بلکہ سُنے سنائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو انسان بھوکا ہو اسے عطر ملنا اور پھولوں کے ہار اس کے گلے میں ڈالنا یا پان الائچی کھلانا عبث ہے۔ سو ضروری مسائل ایسے ہیں۔ جیسے کہ روٹی۔ اور حقائق و معارف ایسے ہیں۔ جیسے کہ عطر پھول وغیرہ میرے خیال میں

بھوکے کو پہلے کھانا کھلانا چاہیئے۔ پھر بعد اس کے اگر میسر ہو تو عطر پھول پان الائچی وغیرہ بھی پیش کرے۔ میں نے خیر خواہی سے جو مجھے میسر تھا پیش کر دیا ہے۔ اس میں تاثیر کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میرا مولا اسے قبول فرما دے۔ اور مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین ::

حضرت میر صاحب کی خدمات سلسلہ

حضرت میر صاحب کی تمام زندگی پنشن لینے کے بعد سلسلہ کی مختلف قسم کی خدمات میں گذری ہے۔ اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ آخری وقت تک اسی خدمت میں مصروف رہے۔ جب تک سلسلہ کے کاموں کا دائرہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ اور سلسلہ کے کاموں کی وسعت صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف اور اشتہارات تک محدود تھی۔ اس وقت حضرت میر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے موافق آپ کے تمام کام کیا کرتے تھے۔ اور حضرت کی ذاتی جائداد کا انتظام اور سلسلہ کی اسوقت کی تعمیرات کا انتظام آپ کے سپرد تھا۔ ۱۸۹۸ء کے آغاز کے ساتھ قادیان میں مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی گئی۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے مینجر

اس کی تجویز ۱۸۹۷ء کے آخر میں ہوئی۔ اور اس کی ابتدا اور اجرا جنوری ۱۸۹۸ء میں ہوا۔ حضرت میر صاحب قبلہ اس کے سب سے پہلے **مینجر** مقرر ہوئے۔ خاکسار **عرفانی** اس مدرسہ کا پہلا ہیڈ ماسٹر تھا۔ حضرت میر صاحب مدرسہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے اپنی تمام قوتوں کو صرف کرتے تھے۔ مگر چونکہ وہ موجودہ طریقہ تعلیم یا تعلیمی ضروریات اور حالی اصلاحات تعلیمی سے واقف نہ تھے۔ اس لئے بسا اوقات ان میں اور میرے جیسے **نوجوان اور تیز مزاج** ہیڈ ماسٹر کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہوتے تھے۔ اور وہ شدید بھی ہو جاتے تھے۔ لیکن ایسے بدمزگی اور مخالفت پیدا ہو کر سلسلہ کی سب سے پہلی تعلیمی انسٹیٹوشن سے کام میں عدم تعاون نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ہم دونوں اس گاڑی کو کھینچنے اور اس انسٹیٹوشن کو کامیاب بنانے کے لئے یکساں کوشش کرتے تھے۔ جب تک میر صاحب مینجر رہے۔ انہوں نے مدرسہ کے ساتھ پوری دلچسپی کا عملی ثبوت دیا۔

ناظم تعمیرات

مدرسہ کی مینجری کے ساتھ ہی وہ ناظم تعمیرات بھی تھے۔ چنانچہ مدرسہ تعلیم الاسلام کی پہلی عمارت جس میں آجکل مدرسہ احمدیہ ہے۔ ان کی ہی نگرانی میں طیار ہوئی۔ جس محنت اور جفاکشی سے انہوں نے یہ کام کیا ہے۔ جو لوگ اس وقت یہاں موجود تھے۔ اور جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

وہ جانتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس کام میں اتنی محنت کی۔ کہ کوئی تنخواہ دار ناظم بھی نہ لیتا۔ انکو اس کام کے لئے کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ بلکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ انہوں نے

سلسلہ کے کسی کام اور خدمت کیلئے کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا اور ہمیشہ اس کام کو اعزازی کیا

اور باوجود آنریری کام کرنے کے وہ تنخواہ لینے والوں سے بہت زیادہ کام کیا کرتے تھے۔ انکے کام کے اوقات اور گھنٹے مقرر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے ۲۴ گھنٹے اسی کام کے لئے وقف ہوتے تھے۔ پھر جوں جوں عمارت کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ وہ یہ کام کرتے رہے۔ اور صدر انجمن کے قیام کے زمانہ میں بھی وہ کچھ عرصہ تک ناظم تعمیرات رہے۔ جب سلسلہ کا کام بہت وسیع ہو گیا۔ اور مختلف محکمے صدر انجمن کے ماتحت قائم ہوئے تو پھر حضرت میر صاحب کی خدمت کلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ وغیرہ کی درستی کی طرف منتقل ہو گئیں۔ اور انہوں نے باغ میں بیش قیمت اضافہ کیا۔ اسی

افسر مقبرہ بہشتی

سلسلہ میں وہ افسر مقبرہ بہشتی کی حیثیت سے اس کے باغیچہ کی تیاری اور درستی کے انچارج بھی رہے۔ بہشتی مقبرہ میں جس قدر درخت اس وقت تک لگے ہوئے ہیں۔ اور چاہ وغیرہ کی تعمیر یہ سب حضرت میر صاحب قبلہ کی خدمات مقبرہ کا اعلان ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت میر صاحب کی صاف گو طبیعت و عادت صدر انجمن کے ممبران برداشت نہ کر سکے۔ اور حضرت میر صاحب کو اس خدمت سے الگ ہونا پڑا۔ مگر پھر وقت آیا۔ کہ صدر انجمن حضرت میر صاحب کو ناظم تعمیرات کی خدمت سپرد کرنے پر مجبور ہوئی چنانچہ میں نے الحکم علد ۲ نمبر ۱۸ میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا۔

حضرت ناصر پھر محکمہ تعمیر میں

ایک زمانہ تھا کہ حضرت میر ناصر نواب صاحب مقبرہ بہشتی کے باغیچہ کے انتظام سے الگ ہونے پر مجبور تھے۔ مگر آج کئی سال کے بعد کمیٹی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ کہ انہیں پھر محکمہ تعمیر کی نظارت و نگرانی کا کام سپرد کرے حضرت میر صاحب قبلہ اس کے ہر طرح سے اہل ہیں۔ اور اس فن سے واقف۔ مجھے تو ہمیشہ تعجب ہوتا تھا۔ کہ کیوں اس محکمہ تعمیر کا کام ان ماہروں اور واقفوں کی کمیٹی کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ جو اس فن میں دسترس رکھتے اور سرکاری کاموں پر مامور ہیں۔ وقتاً فوقتاً یہ لوگ مشورہ کے لئے قادیان میں جمع ہو سکتے تھے۔

اب بھی ضرورت ہے۔ کہ محکمہ تعمیر کی ایک کمیٹی ایسے لوگوں کی ہو۔ غالباً قبلہ میر ناصر نواب صاحب اسکی طرف توجہ کریں گے۔ اور مستقل طور پر ارباب فن کی ایک کمیٹی تعمیر قائم ہو جائے گی۔

باغ کی عمارات ایام زلزلہ میں

۱۹۰۶ء زلزلہ کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت باغ میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت حکیم الامتہ اور مخدوم الملتہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے احباب بھی وہاں ہی جا ٹھیرے۔ اس وقت وقتی ضروریات کے ماتحت چند عمارتوں کی ضرورت لاحق ہوئی۔ جن کو حضرت میر صاحب نے بہت سرعت اور ہمت سے تیار کرا دیا۔

باغ کی موجودہ عمارات بھی حضرت میر صاحب کی حسن تدبیر کا نتیجہ ہیں۔ دور الضعفاء کے تمام مکانات کے لئے نہ صرف آپ نے پھر کر چندہ کیا۔ بلکہ اپنی نگرانی میں تمام عمارات کو بنوایا۔ آخیر عمر میں باوجودیکہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی اپنے گھر سے جو دار العلوم میں تھا دور الضعفاء تک چلکر جاتے۔ اور گھنٹوں اس کی نگرانی فرماتے تھے۔ میر صاحب کا یہ عزم اور یہ محنت اور اخلاص ایک نظیر ہے سلسلہ کے کام کرنے والوں کیلئے۔

آج کتنے ہیں جو پنشن لیکر سلسلہ کا کام اس جانفشانی سے بلا مزد و امید اجر مال کرنے کو تیار ہیں۔ مسجد نور اور ہسپتال کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

ترجمۃ القرآن اُردو کا اہتمام

خلافت اولیٰ میں حضرت میر صاحب نے ترجمۃ القرآن اُردو کے اہتمام کا عظیم الشان کام شروع کرنا چاہا۔ ان کی خواہش اور دلی تمنا تھی۔ کہ قرآن مجید کا ایک اردو ترجمہ جاوے کے لئے تیار کرائیں۔ اور اس کی طبع کا تمام اہتمام خود کریں۔ اس کے لئے جماعت میں اپنے چندوں کے سلسلہ میں کریں۔ اور یہ ترجمہ حضرت حکیم الامت کا ہو۔ چنانچہ حضرت میر صاحب نے اس کام کے لئے اعلان کر دیا۔ اور اعلان ہی نہیں عملی قدم بھی اٹھایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اور خود حضرت خلیفۃ المسیح نے قرآن مجید کا اپنا کیا ہوا ترجمہ حضرت میر صاحب قبلہ کو دیدینے کا ارادہ بھی فرما لیا تھا۔ بلکہ نہایت جوش سے آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرنے کے لئے کام بھی شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ صدر انجمن کے ماتحت بھی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا اس لئے جہاں تک میرا علم ہے۔ صدر انجمن کے بعض لوگوں نے اس کام کو جو حضرت میر صاحب

قبلہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کام سے تصادم کا ذریعہ سمجھا۔ اور بالآخر اس کام کو حضرت میر صاحب کو چھوڑنا پڑا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے بھی بکراہت اسے ترک کر دیا۔ میں آج حضرت میر صاحب قبلہ کے سوانح حیات میں اس کا ذکر کرتے ہوئے دُکھ محسوس کرتا ہوں۔ کہ اس وقت بعض لوگوں کی غلطی نے دنیا کو **ایک عظیم الشان نعمت سے محروم کر دیا**۔ حضرت حکیم الامۃ کا ترجمۃ القرآن ایک بے نظیر قرآن کریم کی تفسیر و ترجمہ ہوتا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ جس کی تحریک نے دنیا کو اس سے محروم کیا۔

تعمیر دار القرآن

۱۹۱۳ء میں حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ نے دار القرآن کی تعمیر کا خیال ظاہر فرمایا۔ اور باوجودیکہ صدر انجمن کا محکمہ تعمیر موجود تھا۔ مگر حضرت خلیفہ اول کی خواہش اور دلی تمنا یہ تھی۔ کہ یہ کام حضرت میر صاحب قبلہ کے ذریعہ ہو۔ چنانچہ آپ نے اس تعمیر کے متعلق حضرت میر صاحب کو ہی ناظم و مہتمم مقرر فرمایا۔ میں نے اس وقت اس کے لئے جو اعلان کیا۔ وہ اس پر شاہد عدل ہے۔ اور میں اسے یہاں درج کر دینا لازمی سمجھتا ہوں۔

دار القرآن

حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حمید کی محبت اس کی سمجھ اور اس کی اشاعت و تعلیم کا جوش فطرتاً عطا فرمایا ہے۔ جن لوگوں کو قادیان آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا ہوگا۔ کہ حضرت ہمیشہ سے قرآن مجید کا ایک عام درس دیا کرتے ہیں۔ اور کتاب اللہ کی حقیقت اور غرض سے مخلوق کو آگاہ فرماتے ہیں۔ یہ درس علے العموم مسجد اقصےٰ میں ہوا کرتا ہے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح چاہتے ہیں۔ کہ ایک خاص کمرہ اس مقصد کے لئے بنایا جاوے۔ جہاں قرآن مجید کا درس ہوا کرے۔ اس کمرہ کے لئے حضرت ام المومنین علیہا السلام نے ایک حصہ زمین کا ضرورتاً عطا فرمانیکا وعدہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ زمین پستی میں ہے۔ اس کو عمارت کی سطح تک لانے کے واسطے ایک معقول خرچ کی ضرورت ہوگی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ یہ دار القرآن دراصل مدرسہ تعلیم القرآن کا مقدمہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی دیرینہ خواہش ہے۔ کہ قرآن مجید کے نہایت اعلےٰ معلم موصل وغیرہ سے منگوائے جائیں۔ اس وقت تک ہر چند یہاں قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کی طرف توجہ ہے۔ لیکن پھر بھی بہت

کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ حفظ قرآن* اور تعلیم قرأت کا کوئی انتظام نہیں۔ الحکم میں پچھلے دنوں میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو اس ضرورت کی طرف توجہ بھی دلائی تھی۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ یہ خواہش اس رنگ میں پوری ہونے لگی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ کو یہ خدمت سپرد کی ہے۔ کہ وہ اس دار القرآن کی تعمیر کا کام شروع کر دیں۔ اس کے لئے کم از کم دس ہزار روپیہ بکار ہو گا۔ مگر اس قوم کے لئے جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد دو مرتبہ کر چکی ہے۔ اور جس نے خصوصیت کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کا عہد حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر کیا ہے اس رقم کا پورا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ چندہ کی فہرست کھول دی گئی ہے۔ ایڈیٹر الحکم چاہتا ہے۔ کہ اس کے ناظرین اس کار خیر میں کم از کم اڑھائی ہزار جمع کر دیں۔ اور یہ رقم خریداران الحکم کی طرف سے دار القرآن کے لئے دیجاوے۔ ایسے پاک اور خالص دینی اغراض کے لئے کونسا دل ہے جس میں جوش پیدا نہیں ہو گا۔ یہ ضرورت ایسی ضرورت نہیں۔ کہ بار بار تحریکوں کی حاجت ہو۔ میری دانست میں دار القرآن مدرسۃ القرآن کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر تعمیر ہونا چاہیئے۔ جو جہاں ایک بڑے ہال کا کام دے سکے۔ وہاں ایک مدرسہ کے مختلف حصوں کا کام بھی دے۔ بہر حال یہ امور بعد میں قابل غور ہونگے۔ سردست روپیہ کی ضرورت ہے۔ احمدی قوم خدمت قرآن کریم کے لئے بیش از بیش تیار ہو گی۔ اور یہ مختصر اطلاع انہیں تحریک کریگی۔ کہ وہ بہت جلد اس رقم کو پورا کر دیں۔

اس مقصد کے لئے کل روپیہ حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ کے نام آنا چاہیئے۔ اور کوپن پر تعمیر دار القرآن لکھ دینا ضروری ہو گا!

قدرت ثانی کے لئے دُعاؤں کا التزام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح منتخب ہو گئے۔ تو آپ نے جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الوصیت کے ماتحت اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جماعت کو ملکر **قدرت ثانی** کے لئے دُعا کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا۔ کہ

"تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو۔ اور چاہیئے کہ ہر ایک جگہ صالحین کی جماعت ہر ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں۔ تاکہ دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو"

* حیات ناصر کی اشاعت کیوقت الحمد للہ مدرسۃ الحفاظ جاری ہو چکا ہے۔ عرفانی۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے جماعت کے لئے اس مضمون پر ایک خاص اعلان کے شائع کرنیکا حکم دیا۔ اور سلسلہ کے اخبارات نے اُسے شائع کیا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ پہلے اور اکیلے بزرگ یہاں قادیان میں تھے۔ جنہوں نے ملکر دعا کرنے کی تحریک کو یہاں عملی صورت دی۔ وہ ہر روز بعد مغرب اس مقصد کیلئے لمبی دُعا کیا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک برابر جاری رہا۔ میں خود ان دعاؤں میں شریک ہوتا تھا۔ اور آجتک اس لطف کو محسوس کرتا ہوں۔ قدرت ثانی کے لئے دعائیں ہوتی رہیں۔ اور بطور عملی محرک کے حضرت میر صاحب قبلہ اس کے لیڈر تھے۔

خلافت ثانیہ کیوقت خدمات

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جماعت میں ایک انقلاب عظیم اور زلزلہ شدید پیدا ہوا۔ جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ حضرت میر صاحب پر سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد کبھی ابتلا آیا ہی نہیں۔ وہ جب تک سلسلہ سے الگ رہے۔ اور انہوں نے اس سے دیانت داری کے ساتھ اختلاف کیا وہ مخالف رہے۔ اور اپنے اختلاف کا اظہار بھی کرتے رہے۔ لیکن جب اونہوں نے سلسلہ حقہ کو قبول کر لیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ تو پھر کبھی آپکو کوئی ابتلا نہیں آیا۔ اور آپ کا قدم آگے ہی اٹھتا گیا۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات پر وہ لوگ جو سلسلہ میں بطور عمود اور ستون کے لئے بعض حالات کے ماتحت مخالف ہوئے۔ اور اُنہوں نے علیحدگی اختیار کی۔ اور جماعت میں تفرقہ اور غدر خلافت کا ارتکاب کیا۔ اس وقت جماعت عجیب حالت میں تھی۔ اور یہاں خزانہ انجمن کی حالت خزانہ حمام سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت میر صاحب قبلہ نے فوراً ایک رقم حضرت خلیفہ ثانی کے حضور پیش کی۔ اور اس پیرانہ سالی میں جماعت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے انہوں نے ایک لمبا سفر مدراس تک کیا۔ اور اصل حالات سے لوگوں کو واقف کیا۔ حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیارے اور اخص مخلص احباب میں سے تھے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کے ٹرسٹی تھے۔ انکو اصل واقعات اور حالات سے آگاہ کیا۔ اونہوں نے فوراً بذریعہ تار حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیعت کی۔ غرض ایک لمبا سفر کر کے لوگوں کو ٹھوکر سے بچایا۔

یہ بہت بڑا کارنامہ حضرت میر صاحب کا ہے۔ مجھے افسوس سے یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ نادان

مخالفین اور منکرین خلافت نے حضرت میر صاحب اور خاکسار عرفانی کو خلافت ثانیہ کے قیام و انتخاب کے متعلق پوری طرح بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اسے منصوبہ کہتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے۔ اور نہاں در نہاں حالات اور آیندہ کے واقعات کا بھی علیم ہے۔ جانتا ہے۔ کہ ہم نے کبھی اس معاملہ میں نہ کوئی سازش کی اور نہ منصوبہ۔ حضرت میر صاحب کی زندگی اس پر گواہ ہے۔ وہ منصوبہ کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ خوشامد اور ریا فروشی انکو آتی ہی نہ تھی۔ وہ ایک حنیف اور مسلم بزرگ تھے۔ جب تک انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو سمجھ نہیں لیا۔ قبول نہیں کیا۔ اور جب قبول کر لیا۔ تو پھر تمام دوستوں عزیزوں۔ رشتہ داروں کو اس عہد پر قربان کرتے میں انہوں نے کبھی پس و پیش نہیں کیا۔

اگر مسئلہ خلافت میں وہ حق پر نہ ہوتے۔ تو کوئی چیز ان کو اس سے اختلاف کرنے میں روک نہ بن سکتی تھی۔ اور کسی کی رشتہ داری اثر نہیں ڈال سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے یہی سمجھا اور صحیح سمجھا کہ

خلافت احمدیہ خلافت حقہ ہے

اور وہ اس کی تائید میں ہر طرح لگے رہے۔ اور کسی دوست کو قربان کرنے میں پرہیز مضایقہ نہ کیا۔ بہر حال حضرت میر صاحب قبلہ نے خلافت ثانیہ کی تائید میں ہر ایک قسم کی قربانی کو وسعت حوصلہ سے قبول فرمایا۔ اور اس کے لئے تیار رہتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی اشاعت کیلئے جوش

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کی اشاعت کا بھی بہت بڑا جوش وہ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اور انہوں نے مختلف اوقات میں جماعت میں تحریک کی کہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو خریدیں۔ اور پڑھیں۔ اور اس کے لئے وہ جہاں جاتے دوستوں میں تحریک کرتے۔ یہ راز انہوں نے سمجھ لیا تھا۔ کہ جماعت میں اختلاف یا کمزوری کی روح اس وقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ اصل تعلیم کا علم نہیں ہوتا۔ اور لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کو لوگ پڑھیں۔ تاکہ انکو معلوم ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے۔ غرض آپ اشاعت کتب کے لئے بہت جوش رکھتے تھے۔

صحابہ مسیح موعودؑ کی سوانح حیات کی اشاعت کا شوق

حضرت میر صاحب قبلہ کو یہ بھی شوق تھا۔ کہ لوگ اپنے حالات زندگی کو لکھ کر شائع کر دیں۔ یہ تحریک دراصل حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریک کا نتیجہ تھا۔ جو حضور نے بیعت کے آغاز کے ساتھ ہی شروع کی تھی۔ چنانچہ ۴ر مارچ ۱۸۸۹ء کو جو اعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض فوائد منافع بیعت کہ جو آپ لوگوں کے لئے مقدر ہیں اس انتظام پر موقوف ہیں۔ کہ آپ سب صاحبوں کے اسماء مبارک ایک کتاب میں بقید ولدیت و سکونت مستقل و عارضی اور کسی قدر کیفیت کے (اگر ممکن ہو) اندراج پا دیں۔ اور پھر جب وہ اسماء مندرجہ کسی تعداد موزوں تک پہنچ جاویں۔ تو ان سب ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے اور چھپوا کر ایک ایک کاپی اس کی تمام بیعت کرنے والوں کی خدمت میں بھیجی جائے۔ اور پھر جب دوسرے وقت میں نئی بیعت کرنیوالوں کا ایک معتدبہ گروہ ہو جاوے۔ تو ایسے ہی انکے اسماء کی بھی فہرست تیار کر کے تمام مبایعین یعنی داخلین بیعت میں شائع کی جاوے۔ اور ایسا ہی ہوتا رہے۔ جب تک ارادہ الٰہی اپنے اندازہ مقدر تک پہنچ جائے"

اس تحریک کو خاکسار عرفانی نے ۱۸۹۸ء میں الحکم کے ذریعہ شائع کیا۔ اور خود ارادہ کیا۔ کہ احباب کے مختصر سوانح حیات شائع کروں۔ مگر یہ سلسلہ ملتوی ہوتا آیا۔ ۱۹۱۱ء میں اپنی مختصر سی لطیف

ناصر کیونکر منصور ہوا

کے عنوان سے لکھ کر شائع کی۔ اور اس میں آپ نے تحریک کی کہ

اے دوستو! تم بھی اپنا پچھلا اور پہلا حال سب مختصر سا لکھ دو۔ تاکہ میں اسے شائع کر دوں۔ اور جماعت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اور تمہیں اور مجھے ثواب ہو۔ اور قادیان کے ضعفاء کو کچھ پیسے مل جاویں۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔

اس تحریک پر اگرچہ دوستوں نے عمل نہیں کیا۔ لیکن حضرت میر صاحب قبلہ کے نامہ اعمال میں اس کا ثواب رہے گا۔ اس تحریک سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت میر صاحب

قابلِ رشک استقلال

کو خدا تعالیٰ نے خارق عادت استقلال بخشا تھا۔ اور ضعفاء اور غرباء کی ہمدردی اور مدد کیلئے انہیں بہت بڑا جوش تھا۔ وہ اس بات سے کبھی تھکتے اور گھبراتے نہ تھے۔ وہ ان ہمہ خیر تحریکوں کے لئے جب چندہ کے لئے جاتے اور کسی جگہ سے نہ ملتا۔ تو ان کی ہمت پست نہ ہوتی۔ اور وہ یہ سمجھکر چھوڑ نہ دیتے۔ اور باوجود پوری کوشش اور سرگرمی کے ان کا توکل اور بھروسہ خدا ہی پر ہوتا تھا۔ انکے ان جذبات کا اظہار میر صاحب کی ذیل کی نظم سے ہوتا ہے۔

نظم

آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو — جب تک کہ دیکھ لیوے نہ وہ روئے یار کو
جنگل میں جاتا ہے کبھی آتا ہے شہر میں — دیوانہ وار ڈھونڈتا ہے کوہسار کو
ناصر بتا کہ تجھ کو یہ کیا ہو گیا ہے آہ! — شہر دل میں پھرتا ہے کبھی جاتا ہے بار کو
لاہور میں کبھی کبھی پشاور میں ہے تو — جاتا ہے چھوڑ چھاڑ کے خویش و تبار کو
بنگالہ میں کبھی کبھی مدراس میں ہے تو — کرتا ہے تو تلاش کسی گل عذار کو
دکن میں ہے کبھی کبھی ہے بمبئی میں تو — دریا کو دیکھتا ہے کبھی آبشار کو
کس کی تلاش ہے ترا دل کس سے ہے لگا — اے دوست کچھ زبان پہ تو لا حال راز کو
معلوم حال ہو تو کریں ہم بھی کچھ مدد — تدبیر سے نکالیں ترے دل کے خار کو
اے دوستو! بتاؤں تمہیں کیا میں اپنا حال — ہے اختیار میں نے کیا ایسے کار کو
درکار جسمیں زر ہے مجھے زر کی ہے تلاش — کرتا ہوں اسمیں صرف میں لیل و نہار کو
زر کی طلب میں پھرتا ہوں ہر سمت بھاگتا — تم دیکھتے رہو مرے صبر و سہار کو
آئے گی ایک دن مرے مولا کی بس مدد — پھر دیکھ لوگے تم مرے اس کار و بار کو
مسجد تو بن گئی ہے شفاخانہ بھی بنا — کر لوگے تم ملاحظہ میری بہار کو
کچھ دوستوں کیواسطے بنجاویں تھوڑے گھر — دیکھوں میں اپنی آنکھ سے ان کی قطار کو
بیمار عورتوں کے لئے اک مکان ہو — جھانکے نہ کوئی مرد کبھی ان کے دار کو

ہوں میری زندگی میں یہ طیار کل مکان — میں بامراد دیکھ لوں ان ہر چہار کو
مقدور ہے تو لاؤ روپے کچھ کرو مدد — دولت کرو نثار کرو شاد یار کو
تم دو نہ دو وہ دیویگا عاجز کو بالضرور — ٹھنڈا کریگا یار میرے دل کی نار کو
تم سے نہیں سوال مرا اُس سے ہے سوال — رکھا ہی میں نے طاق پہ سب ننگ و عار کو
مولا کے نام پر میں سوالی بنا ہوں اب — گل جانتا ہوں میں رہ مولا میں خار کو
اللہ کا جو ہے وہ مجھے دیگا اس کے نام — خالی نہیں خدا نے کیا روزگار کو
عاقل خدا کے نام پہ دیتے ہیں مال و زر — اور بیوقوف دیتے ہیں پیسے سُنار کو
کوشش سے مجھکو کام ہے کرتا ہوں میں جہاد — میں جیت ہی سمجھتا ہوں اس رہ میں ہار کو
پروا ہے طعن کی نہ ہے تعریف کی خوشی — اِک دُھن سی لگ رہی ہے اب اس خاکسار کو

مولا ہی کے ہے فضل کا **ناصر** کو انتظار
وہ خود کرے گا دُور اب اس انتظار کو

حضرت میر صاحب کے آخری ایام اور آپ کی وفات

حضرت میر صاحب کے قویٰ بہت اعلےٰ درجہ کے تھے۔ لیکن آخر قویٰ میں انحطاط شروع ہوا۔ بایں آپ آخری وقت تک چلتے پھرتے رہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہیں لکھ آیا ہوں۔ نمازوں کے لئے عموماً آپ مسجد مبارک میں آجایا کرتے تھے۔ چونکہ قومی کاموں اور ضرورتوں کے لئے آپ چندہ جمع کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ خیال اس قدر غالب تھا۔ کہ ہمیشہ جب کسی شخص سے ملتے تو اسے کہتے

چندہ لاؤ

چونکہ جماعت میں ان کی عزت اور وقار اور انکے مخلصانہ اور بے غرضانہ کام کا اثر اور وقعت تھی۔ کوئی شخص انکار کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اور جو کچھ بھی اس سے ممکن ہوتا پیش کر دیتا۔ ان کی بیماری کو کبھی ایسا خطرناک نہیں سمجھا گیا تھا۔ تاہم چونکہ پیرانہ سالی اور اعصابی بیماری تھی۔ سعادتمند بیٹوں نے ایک مستقل آدمی ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے کا انتظام کر دیا تھا۔ وہ جہاں جاتے آدمی انکے ساتھ رہتا۔

۱۹۲۴ء میں جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح لنڈن گئے ہوئے تھے۔ آپ کی وفات ہو گئی۔ اور حضرت کو لنڈن بذریعہ تار اطلاع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط حضرت خلیفۃ المسیح نے لنڈن کی عارضی مسجد واقعہ پٹنی میں جمعہ کے روز آپ کا جنازہ غائب پڑھا۔

حضرت میر صاحب کی وفات بروز جمعہ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء نو بجے دن کے واقعہ ہوئی اور بعد نماز جمعہ باغ میں ایک مجمع کثیر کے ساتھ جناب مولوی شیر علی صاحب امیر جماعت نے آپ کا جنازہ قادیان میں پڑھا۔ اور اسی روز مقبرہ بہشتی میں دفن کر دیا۔

میں چونکہ یہاں موجود نہ تھا۔ بلکہ حضرت کے ہمراہ لنڈن گیا ہوا تھا۔ اس لئے مجھے یہ صدمہ ہمیشہ رہے گا۔ کہ ایسے بزرگ سلسلہ کی آخری وقت شکل نہ دیکھ سکا۔ اور آپ کی تربت پر مٹی ڈالنے کی توفیق نہ پا سکا۔ آپ کی وفات اور مرض الموت کے حالات میں صرف اسی قدر لکھ دینا چاہتا ہوں۔ جو مکرمی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب خلف الرشید حضرت میر صاحب نے لکھے ہیں۔ ان میں حضرت میر صاحب کی سیرۃ کا بھی کچھ ذکر ہے۔ جس کو میں خود بھی لکھ چکا ہوں۔ تاہم میں اسے مکرر لکھنے میں بھی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ وھو ھذا

”جماعت کے احباب کو حضرت والد مکرم مرحوم یعنے جناب میر ناصر نواب صاحب کی وفات کی خبر مل چکی ہے۔ آپ نے ۹ بجے صبح جمعہ کے دن بتاریخ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء وفات پائی۔ آپ کی عمر وفات کے وقت بحساب انگریزی ۷۹ سال اور بحساب ہجری ۸۱ سال سے کچھ متجاوز تھی۔ ڈیڑھ سال کے قریب سے آپ ضعف اعصاب سے بیمار تھے۔ مگر چلنا پھرنا بند نہیں ہوا تھا۔ آخر دنوں میں ملیریا بخار آنے لگا۔ دوا سے آرام ہو جاتا تھا۔ مگر پھر کئی کئی دن چھوڑ کر باری آ جاتی تھی۔ آخری باری سردی سے بدھ کے دن عصر کے بعد آئی۔ پھر غفلت ہو گئی۔ اور آخر میں بے ہوشی اور تیسرے دن جمعہ کو اسی غفلت میں انتقال فرمایا۔ آپ کی چند خاص باتیں قابل تذکرہ ہیں۔

اوّل۔ اکل حلال۔ اس کے آپ تمام عمر اس قوت اور سختی سے پابند رہے کہ دوست اور دشمن دونوں اس پر گواہ ہیں۔ میرا مطلب یہاں صرف ان کی تعریف کرنا ہی نہیں۔ بلکہ میں اپنے احباب کو خاص طور پر اس ضرورت کی بابت توجہ دلانا بھی چاہتا ہوں۔ اکل حلال ایک

بہت ہی مشکل امر ہے۔ خصوصاً ملازمین سرکار کے لئے اور ان سے کم درجہ پر اہل حرفہ اور تاجروں کے لئے اور زمینداروں کے لئے بھی اپنی تمام آمدنی اور تمام خورد و نوش کو صرف حلال اور طیب طور پر محصور کر لینا ایک سخت مجاہدہ ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ حرام کا لقمہ قبولیت دعا میں مانع ہوتا ہے۔ پس اس طرف انسان کو بہت ہی توجہ دینی چاہیئے۔ کہ آیا جو اس کے ہاں آتا ہے۔ اور جو اس کے اور اس کی آل اولاد کے حلق کے نیچے اترتا ہے۔ وہ رزق حلال اور طیب ہے یا مشتبہ اور ناجائز۔ جب تک حرام اور مشتبہ رزق انسان کے بدن میں داخل ہوتا رہے گا۔ نہ اس کی دعا قبول ہوگی۔ اور نہ اس سے عمل صالح صادر ہونگے۔

دوسری بات جس میں مرحوم کو ایک امتیاز حاصل تھا۔ وہ ان کی جرأت ایمانی اور نفاق سے نفرت کی صفت تھی۔ آپ کو فطرتاً مداہنت سے سخت بیزاری تھی۔ اور دوست۔ دشمن واقف ناواقف کسی کے آگے حق گوئی سے نہ جھجکتے تھے۔ اور نہایت صاف گوئی سے ہر مجلس میں اپنے خیالات ظاہر فرما دیتے۔ اور اگرچہ کسی وقت سختی بھی کر لیا کرتے تھے۔ مگر دل میں قطعاً کینہ اور غبار نہ رکھتے تھے۔

تیسرے یہ کہ محنت اور مشقت اور سختی برداشت کرنے کی ہمیشہ سے عادت تھی۔ اس کی گواہ تمام جماعتیں ہیں۔ اور ہمیشہ اپنے تئیں سلسلہ کے کاموں میں مصروف ہی رکھتے تھے۔ دربدر بھیک کی طرح پیسے مانگتے پھرنا یہاں تک کہ جب نور ہسپتال کے لئے چندہ جمع کیا۔ تو چوہڑوں کے گھر جا کر بھی مانگنا اور اسے کوئی ذلت نہ سمجھنا ایک قابل تقلید مثال ہے۔

چوتھے۔ استقلال بھی آپ کا ایک نمایاں خلق تھا۔ جس کام کو شروع کرتے۔ ختم کئے بغیر نہ ٹھیرتے تھے۔ چنانچہ مسجد نور۔ شفاخانہ۔ دور الضعفاء احمدی بازار کا پختہ فرش اور قبرستان وغیرہ آپ کی ظاہری باقیات الصالحات ہیں۔

پانچویں ایک صفت آپ کی سخاوت اور غریبوں کی خبر گیری تھی۔ ہمیشہ نقدی اور کپڑوں سے غرباء کی امداد کرتے رہنا آپ کی عادت میں داخل تھا۔

چھٹے دوسروں کے لئے بالالتزام دعا کرنا اور ان کی ہمدردی اور خیر خواہی میں مشغول رہنا اکثر دوستوں پر واضح ہے۔

ساتویں پابندی نماز روزہ اور احکام شریعت کا کمال اہتمام آپ کی طبیعت ثانیہ ہو گیا تھا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول پر شدت سے عمل کرتے اور کراتے تھے۔

آپ ۱۸۹۴ء سے جب آپکی عمر ۴۹ سال کی تھی۔ قادیان میں مستقل رہائش کے لئے تشریف لائے۔ اور ۳۰ سال کامل یہاں سکونت رکھ کر ۱۹۲۴ء میں محبوب حقیقی سے جا ملے۔ میں احباب جماعت احمدیہ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ مرحوم کا جنازہ پڑھیں۔ اور ان کے علو مراتب اور مغفرت کے لئے دعا فرماویں۔

فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکراً۔ یہ باتیں جو میں نے بیان کی ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے ہی فضل سے انکو حاصل ہوئی تھیں۔ اس کا کتنا بڑا فضل ہے۔ کہ ایک شخص کو دہلی سے نکالکر پنجاب لایا۔ اور اس کا تعلق مسیح موعودؑ جیسے شخص سے کرایا۔ اور پھر اس کی صحبت اور قرب بخشا۔ ایمان دیا۔ فطرتی قوی نیکی کے لئے عنایت کئے۔ خود توفیق دی۔ اور خود ہی سامان مہیا کئے۔ اور انجام کار بہشتی مقبرہ میں حضرت صاحب سے بہت قریب جگہ عنایت کی۔ یہ محض اس کریم کا فضل اور خاص فضل تھا۔ اور اس کے یہ خاص فضل محدود نہیں بلکہ وہ خود بخود کمزور انسان پر اپنی رحمت کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔ کھٹکھٹانے والوں کی آواز اور مانگنے والوں کی دعا۔ اور طالبوں کی طلب اور تڑپ کو سنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ اور پھر اتنا رحم اور فضل اس عاجز مخلوق پر کرتا ہے۔ کہ اس کے اخلاق اور صفات کو دیکھ کر حیرت ہی آتی ہے۔ اور انسان ضیعف البنیان مبہوت ہی رہ جاتا ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار رب السمٰوٰت والارض وما بینہما فاعبدہ واصطبر۔ لعبادتہ ھل تعلم لہ سمیاہ

(جناب ڈاکٹر میر) محمد اسمٰعیل۔ قادیان۔ دارالامان۔

حضرت میر صاحبؓ کی ابدی زندگی

حضرت میر صاحب کی وفات نے کچھ شک نہیں الحکم ہم سے جدا کر دیا۔ اور وہ پھر اس دنیا میں نہیں آسکتے۔ لیکن موت کے اس زبردست ہاتھ نے انکے جسم کے ساتھ انکی زندگی کو ختم نہیں کر دیا۔ بلکہ یہ موت ایک حیات لازوال کا موجب ہو گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور وہ اصحاب الجنۃ میں داخل ہیں اور

انکے مدارج میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہے گی۔ دنیا میں وہ نیکی اور مخلوق کی بھلائی کے اتنے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ زندہ سمجھے جائیں گے۔ حضرت میر ناصر نواب جیسی شخصیت کا انسان اگر یورپ میں ہوتا تو آج شہر کے سب سے بڑے چوک میں انکا مجسمہ رفاہ عام کے کاموں کے لحاظ سے

ہمدرد خلائق کے نام سے بنایا گیا ہوتا

اور کئی سوسائیٹیاں اور کلب انکے نام پر جاری ہو جاتے۔ ہم مجسموں اور بتوں کے قائل نہیں انکے جاری کئے ہوئے کار خیر کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ رشتہ داری کے تعلقات نے انہیں **بقائے دوام کی کرسی پر بٹھا دیا ہے۔**

حضرت میر صاحب کی اس وقت تین زندہ اولادیں ہیں۔ حضرت ام المومنین (نصرت جہان بیگم) جس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی خاتون آج روئے زمین پر ممتاز نہیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی بی بیاں اور مائیں ہیں ان کی عزت اور وجاہت کا اور رنگ ہے۔ مگر ام المومنین کا مقام دوسرا ہے۔ اب مسیح موعود اور مہدی مسعود قیامت تک نہ آئیگا۔ اور یہ عزت جو حضرت ام المومنین کو ملی ہے۔ کسی دوسری خاتون کو نہیں مل سکتی۔ اور حضرت میر صاحب کو اسکا باپ ہونے کی وجہ سے جو درجہ ملا ہے۔ کوئی شخص انکا سہیم اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اس نسل سیدہ سے خدا تعالیٰ نے ایک امت پیدا کرنیکا ارادہ فرمایا ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کو اسکا وعدہ دیا۔ اور اس کے ذریعہ اسلام اکناف عالم میں پھیل جاویگا پس یہ تمام برکات حضرت میر صاحب کیلئے بھی موجب خیر و برکت ہونگی۔ پھر آپؑ کی اولاد نرینہ میں ڈاکٹر سید محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن ہیں جن کا نوٹ میں نے اوپر درج کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انکو ایک ایسا فن دیا ہے۔ جو مخلوق کی بہتری اور نفع رسانی کا ذریعہ ہے انکے اس عمل خیر کا ثواب بھی حضرت میر صاحب کو لازماً ہوگا۔ تیسری زندہ اولاد مولوی فاضل میر محمد اسحاق صاحب ہیں جو اپنے علوم کے ذریعہ نفع پہنچا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو حسنات الدنیا اور حسنات الآخرۃ سے متمتع فرما دے۔ آمین۔

حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت میر صاحب قبلہ

حضرت میر صاحب قبلہ کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کو بہت محبت تھی۔ اور آپ کی خاطر حضور کو ہر طرح ملحوظ ہوتی تھی۔ دہلی میں حضرت میر صاحب ۱۹۰۵ء میں بیمار ہو گئے جبکہ حضور دہلی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت کو سخت تشویش ہوئی۔ اور میر صاحب کے علاج کے لئے حضرت حکیم الامت کو تار دیکر قادیان سے بلایا اور بہت دعا کی۔ تو الہام ہوا۔ وسعت تو دعائے تو۔ اور قبولیت کا اتنا جلد اثر ہوا کہ اس الہام کے ساتھ ہی شفا ہو گئی۔ حضرت میر صاحب کی کسی بات کو آپ رد نہ فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے میر صاحب کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے یوں تو متعدد مرتبہ حضرت میر صاحب قبلہ کے متعلق فرمایا اور اپنی تحریروں کے مختلف مقامات پر آپکے متعلق اظہار خیالات فرمایا۔ لیکن مستقل طور پر آپنے ازالہ اوہام میں حسب ذیل تحریر شائع فرمائی۔

حبی فی اللہ **میر ناصر نواب صاحب**۔ میر صاحب موصوف علاوہ رشتہ روحانی کے رشتہ جسمانی بھی اس عاجز سے رکھتے ہیں۔ کہ اس عاجز کے خسر ہیں۔ نہایت یک رنگ اور صاف باطن اور خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔ اور اللہ اور رسول کے اتباع کو سب چیز سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اور کسی سچائی کے کھلنے سے بہر شجاعت قلبی کے ساتھ بلا توقف قبول کر لیتے ہیں۔ حب للہ اور بغض للہ کا نمونہ شیوہ ان پر غالب ہے۔ کسی کے راستباز ثابت ہونے سے وہ جان تک بھی فرق نہیں کر سکتے۔ اور کسی کو ناراستی پر دیکھ کر اس سے مداہنت کے طور پر کچھ تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اوائل میں وہ اس عاجز کی نسبت نیک گمان تھے۔ مگر درمیان میں ابتلا کے طور پر انکے حسن ظنی میں فرق آگیا۔ چونکہ سعید تھے اسلئے عنایت الٰہی نے پھر دستگیری کی۔ اور اپنے خیالات سے توبہ کر کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ انکا ایک دفعہ نیک ظنی کی طرف پلٹا کھانا اور جوش سے بھرے ہوئے اخلاص کے ساتھ حق کو قبول کر لینا غیبی جذبہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے اشتہار ۱۲ اپریل ۱۸۹۱ء میں اس عاجز کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ میں انکے حق میں بدگمان تھا۔ لہذا وقتاً فوقتاً نفس و شیطان نے خدا جانے کیا کیا انکے حق میں مجھ سے لکھوایا۔ جس پر آج مجھ کو افسوس ہے۔ اگرچہ اس عرصہ میں کئی بار میرے دل نے مجھے شرمندہ کیا لیکن اسکے اظہار کا یہ وقت مقدر تھا۔ میں نے جو کچھ مرزا صاحب کو فقط اپنی غلط فہمی کے سبب سے کہا نہایت برا کیا۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور اس توبہ کا اعلان اسلئے دیتا ہوں۔ کہ میری تحریر کے سبب سے کوئی وبال میں نہ پڑے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص میری کسی تقریر یا تحریر کو چھپوا دے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہے۔ تو میں عند اللہ بری ہوں۔ اور اگر کبھی میں نے مرزا صاحب کی نسبت اپنے کسی دوست سے کچھ کہا ہو یا شکایت کی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی مانگتا ہوں۔

حضرت میر صاحب کے خاندان کا بہت ہی مختصر تذکرہ

حضرت میر صاحب قبلہ کا خاندان باپ اور ماں دونوں کی طرف سے نہایت ذی شان اور صاحب وجاہت ہے۔ اور اسمیں جسمانی اور روحانی دونو خوبیاں موجود ہیں۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب سندی صحیح النسب سید ہیں۔ اور آپکے بزرگ حکومت اسلامی میں ایک شاندار اثر اور حصہ رکھتے آئے ہیں۔ ایک موقعہ پر حضرت میر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ میرے باپ کا نام **ناصر امیر** تھا انکے والد کا نام میر ہاشم علی صاحب۔ اسکے بعد مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ کیونکہ غدر میں کل کاغذات گم ہو گئے۔ خان دوران خان جو نادر شاہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ ہمارے جدامجد کی چوتھی پشت میں تھے۔ پھر ان کا

نسب تو مشہور ہے۔ وہ سید کہتے لیکن شاہی خطاب خان تھا۔ میرے والد صاحب کے نانا صاحب محمد نصیر عرف حضرت صاحب تھے۔ جنکے نانا حضرت خواجہ میر درد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔" اس خاندان کی عظمت اور شرف مسلم ہے اور دہلی کے تمام شریف خاندانوں میں یہ خاندان ممتاز اور واجب الاحترام یقین کیا گیا ہے۔ اس خاندان کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ بعض نوابوں نے انکو اپنی لڑکیاں دیں جیسے نواب امین الدین خان بہادر والا بزرگوار۔ نواب علاء الدین بہادر مرحوم والی ریاست لوہارو کی لڑکی حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ کے بڑے بھائی کو بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت خواجہ میر درد صاحبؒ کے روحانی برکات اور فیوض کا سلسلہ بجائے خود بہت وسیع ہے۔ غرض ہر طرح سے خدا تعالےٰ نے دین اور دنیا کے لحاظ سے آپکو شرف دیا تھا۔ اور اب یہ شرف ابدی اور غیر فانی ہے وللہ الحمد

آخری بات

حضرت میر ناصر نواب صاحبؒ کی زندگی کے مختصر حالات اور کارنامے جو ہمیشہ زندہ اور یادگار زمانہ رہینگے۔ بظاہر میں قلم و کاغذ کے ذریعہ ختم کرتا ہوں۔ مگر سچ یہ ہے۔ کہ میں نے حصول ثواب کے لئے انکو زندہ رکھنے کا ایک سامان کیا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر حضرت میر صاحب سے محبت تھی۔ اور یہ اس کا ایک ادنیٰ عملی اظہار ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے۔ کہ ان کی حیات جسمانی میں بھی اپنے قلم کے ذریعہ انکے نافع الناس مقاصد میں شریک اور حصہ لینے کی توفیق ملی اور اہو ل نے اپنے کرم سے موقع دیا کہ انکی ہر تحریک میں مادی حیثیت سے بھی شریک ہوں۔ اگرچہ مجھے آج انکو اپنے درمیان نہ پا کر تکلیف ہوتی ہے لیکن میں اس خدمت کے ادا کرنے پر ایک خوشی محسوس کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو حضرت ناصر کی سی جرأت، صداقت پسندی استقلال مداہنت سے نفرت۔ اکل حلال کا شوق۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی میں دوام اور سلسلہ حقہ کی تائید اور مخلوق الٰہی کی نفع رسانی کیلئے ہر قسم کی قربانی کا سچا جذبہ اور توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

حضرت میر صاحبؒ کے حالات زندگی میں ایک امر میں غالباً بھول گیا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آپ نے جماعت میں تجارت اور کسب حلال کی روح پیدا کرنے کیلئے ایک موقعہ پر مختصر سی دوکان قادیان میں کھولی تھی اور یہ سب سے پہلی احمدی دوکان تھی۔ باوجود ان تعلقات کے جو حضرت مسیح موعودؑ سے کیسا تھ تھے ایسے زمانہ میں کہ شرفاء اس قسم کی دوکانوں سے عار کرتے بلا خوف لومۃ لائم آپ نے دوکان کر لی۔ اور یہ مہمان خانہ کی اس چھوٹی سی کوٹھڑی میں تھی۔ جس کا دروازہ گلی میں ہے۔ آخر میں حضرت میر صاحب کی ایک مناجات پر ہی اسے ختم کر دیتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے پھر دعا کرتا ہوں کہ وہ حضرت ناصر کی اس مناجات کو میری دعا سمجھ کر میرے حق میں بھی قبول فرماوے آمین ثم آمین۔ خاکسار عزیز غازی:-

مناجات ناصر،

فضل کر اس بندۂ عاجز پہ اے مرے خدا
تو سزاوار کرم ہے میں ہوں بے شک ناسزا

میں بلاؤں میں گھرا ہوں میں مصائب میں پھنسا
دور کر دے ہر مصیبت ہر بلا سے تو بچا

کر دیا بیماریوں نے میری صحت کو خراب
میں مریضِ ناتواں ہوں ہاتھ میں تیرے شفا

میں ہوں عاصی میں ہوں خاطی تو ہی غفار الذنوب
میں گرفتارِ بلا ہوں تو مرا مشکل کشا

میں ہوں ادنیٰ تو ہے اعلےٰ تو غنی میں ہوں فقیر
تو شہنشاہِ دو عالم میں ترا ادنےٰ گدا

میں ہوں دست و پا شکستہ تو ہے میرا دستگیر
میں ہوں گمراہی میں اے مولیٰ مرا تو رہنما

سخت میں ناپاک ہوں اے پاک کر مجھ پہ کرم
میں بُرا ہوں فضل سے اپنے مرا کر دے بھلا

مہربانی مجھ پہ کر الطاف فرما مجھ پہ تو
تو خفا مجھ سے نہ ہو گو خلق ہے مجھ پر خفا

اس شبِ تاریک غم کو دور کر سر سے میرے
اے مرے رب مجھ پہ خوش وقتی کا جلدی دن چڑھا

اے میرے داتا مرے ناصر مجھے منصور کر
کہ میری حاجت روائی اے مرے حاجت روا

رکھ مجھے ثابت سدا اسلام پر اے ذو المنن
بابِ رحمت مجھ پہ وا کر دارِ قربت میں بسا

صبر کی جا صبر دے اور شکر کے موقعہ پہ شکر
دُور کر عصیاں سے مجھ کو اپنی جانب تو جھکا

دے محبت اپنی اور دنیا سے نفرت دے مجھے
دور کر حرص و ہوا اپنا مجھے شیدا بنا

بخش نسلِ پاک مجھ کو کر امام المتقین
دے گناہوں سے تنفر دے عبادتیں مزا

یاد ہو لب پر تری اور دل میں ہو تیرا خیال
ہو عیاں پاکیزگی اور دل میں ہووے اتقا

باادب کر باحیا کر اپنے بندوں میں ملا
رحم کی چادر اوڑھا اور فضل کا جامہ پہنا

ہو تری تعظیم بس ہر کام میں پیشِ نظر
شفقت و رحمت کا برتاؤ ہو خلقت سے سدا

ہر ضعیف و ناتواں کا میں بنوں پشت و پناہ
ہر مریضِ خستہ حال کی میں کروں دل سے دوا

احمدی بھائی مرا کوئی نہ ہو مجھ سے ملول
کوئی بھی صالح کبھی مجھ سے نہ ہو ہرگز خفا

میں ہوں خدمتگار نیکوں کا بنوں سبھوں کا یار
ہو نہ تیرے دوستوں سے میرے دل میں کچھ دغا

راحت و آرام دوں اپنے ہر اک بھائی کو میں
بھائیوں کی میں کروں خدمت وہ دیں مجھ کو دُعا

لب پہ شیرینی ہو اور دل میں ہو میرے بس مٹھاس
بغض سینے میں نہ ہو کینہ نہ ہو دل میں ذرا

میں اگر مانگوں تو مانگوں دیں کی نصرت کیلئے
اے خدا مجھ کو بنانا تو نہ نفسانی گدا

میں نہ تجھ پہ بدگماں ہوں اور نہ تجھ سے ناامید
جُز ترے کوئی نہیں ہے آسرے دل کا آسرا

تو نے ہے مجھ کو بنایا رزق دیتا ہے تو ہی
شکر کر سکتا نہیں تیرا کسی صورت ادا

میں ہوں مصروف گنہ اور تو ہے میرا پردہ پوش
نعمتیں کھاتا ہوں تیری پر نہیں کرتا میں شکر
سکھ مجھے دیتا ہے تو میں سرکشی کرتا ہوں پھر
اپنے ہاتھوں سے میں جب پڑتا ہوں دکھ میں ای کریم
نعمتوں کی تیری گنتی مجھ سے ہو سکتی نہیں
یہ زمین و آسمان میرے لئے پیدا کئے
روح دی انمول مجھ کو جسم بخشا بے بہا
دیکھنے کو آنکھ بخشی اور دیئے سننے کو کان
سونگھنے کو ناک دی پھر مجھ کو بخشے تو نے پھول
عقل بخشی فہم بخشا اے مرے ربّ رحیم
اپنے فضل عام سے بخشے مجھے ہوش و حواس
رات سونے کو بنائی دن کمانے کے لئے
پھول پھل تو نے دیئے تو نے بنائیں بوٹیاں
کیسی کیسی بامزا خوراک دی تو نے مجھے
سیم و زر تو نے دیا موتی دیئے ہیرے دیئے
یہ زمیں بخشی کہ تا پیدا ہو اس میں ہر اناج
دیدیئے تو نے مجھے دنیا کے یہ لاکھوں درخت
یہ سمندر مجھکو بخشے تا چلیں ان میں جہاز
ریل بخشی تو نے اور تو ہی نے موٹر کار دی
تو نے بخشے فضل سے یہ مال و دولت کے پہاڑ
یہ ہزاروں جانور میرے لئے پیدا کئے
بعض ہیں میری غذا اور بعض پر چڑھتا ہوں میں
دودھ دیتا ہے کوئی اور ہل چلاتا ہے کوئی

حیف ہے صد حیف ہے آتی نہیں مجھ کو حیا
پھر بھی دروازہ نہیں تو بند کرتا رزق کا
کس قدر ہے بردباری تجھ میں اور کیسی حیا
اپنے فضل عام سے دیتا ہے تو مجھکو شفا
کیونکہ ہیں تیرے عنایات و کرم بے انتہا
واسطے میرے بنائے تو نے یہ آب و ہوا
کام کرنے کے لئے مجھ کو دیئے یہ دست و پا
بولنے کو دی زباں۔ کی اس کو گویائی عطا
منہ دیا کھانے کو اور بخشا زباں کو ذائقہ
دور ہووے تا کہ اس عاجز سے ہر وہم و خطا
بے طلب بے مانگ کی تو نے ہر اک مجھ پر عطا
چاند و سورج تو نے بخشے تا کہ پاؤں میں ضیا
تیری بخشش سے ہے سب کچھ ہم غذا و ہم دوا
شہد کھانے کو دیا اور دودھ پینے کو دیا
نعمتوں کا تو نے دروازہ کیا ہے مجھ پہ وا
ہر طرف جاری ہے جس میں ایک چشمہ فیض کا
انسے تا حاصل کروں میں میوہ ہائے بامزا
اور ہر اک حاجت ہو میری انکے باعث سے روا
فائدہ تو ہی نے بخشا مجھ کو ڈاک اور تار کا
جن میں میرے واسطے ہر اک خزانہ ہے دیا
جن کی گنتی سے بھی ہوں اب تک تو میں ناآشنا
بعض دیگر خدمتیں کرتے ہیں ایسی صبح و مسا
کونسا ہے جانور جس سے نہیں کچھ فائدہ

روح کے بھی واسطے طیار ہے اسبابِ عیش
یادِ نیری روح کی بے شک غذائے پاک ہے
تیرے مرسل آئے سمجھانے کو میرے اے خدا
آئے دنیا میں ڈرانے کو میرے بے شک نذیر
جب ترے الطاف مجھ پر بڑھ گئے حد سے جز دوں
اس کے صدقہ میں ہوا تیرا اہت مجھ پہ کرم
ہو محمدؐ پر مری جانب سے بس لاکھوں درود
کرکے پیدا تو نہ بھولا مجھ کو اے پروردگار
بھوک میں کھانا دیا اور پیاس میں پانی مجھے
گرمی و سردی سب اسباب بخشے اے کریم
جب پڑی گرمی کیا بارش سے تو نے مجھ کو سرد
مجھ کو بخشی تو نے بیوی خاندانی اور شریف
آل اور اولاد بخشی یار اور ہمدم دیئے
مجھ کو مہدی سے ملایا ہے یہ اک فضل عظیم
وقت میں میرے کیا نازل مسیح احمدی
ہاتھ پر اس کے دکھائے تو نے وہ عالی نشان
بانٹتا تھا وہ خزانے لے گئے چالاک و چست
وہ زمانہ خیر کا افسوس جلدی ہو چکا
اسکے سچے دوست جو ہیں وہ میرے یارِ غار
وہ خلیفہ مجھ کو بخشا جس کی سیرت نیک ہے
حامیِ سنّت ہے جو اور حافظِ قرآن ہے
عابد و زاہد ہے ہم میں ہے مگر ہم سا نہیں
ناصرِ بیکس کی ہے یارب یہی تجھ سے دعا
رحم کرتا ہے وہ سب پر تو بھی اس پر رحم کر
وہ کرم کرتا ہے خلقت پر تو کر اس پر کرم
دشمنانِ دیں کو ہم پر نہ کرنا خندہ زن
کر ہمیں تو بامراد اور ان کو کردے نامراد
عرض بندہ کر چکا مولےٰ کرے اس کو قبول
واسطے اس کے مہیا کی ہے روحانی غذا
پر مشقت جو عبادت ہے وہ ہے اس کی دوا
اور کلام پاک میرے واسطے نازل کیا
اور بشارت دینے کو آئے ہزاروں انبیاء
تو نے بھیجا واسطے میرے محمدؐ مصطفےٰ
رحمتوں کے پھر تو دروازے کھلے بے انتہا
ہو سلام ان پر مری جانب سے یارب دائما
وقت پر میری ہمیشہ تو مدد کرتا رہا
دکھ سہیڑا میں نے جب تو نے عطا کردی دوا
میں بڑھا جتنا ترا احساں بھی بڑھتا گیا
جب ہوئی گھٹنس چلادی تو نے بس فوراً ہوا
نیک خو اور نیک دل خدمتگزار و باوفا
فضل سے بخشا مجھے اپنے امام پارسا
کر نہیں سکتا میں اس کا شکر اے خالق ادا
اور کرم سے اپنے اس کے قرب کا رتبہ دیا
اس زمانہ میں کسی کو وہم ہی جن کا نہ تھا
جس قدر قسمت میں تھا مجھ کو بھی اتنا مل گیا
یاد کرکے وہ مزا ہوتا ہوں میں اب بے مزا
نیک بخت و بامروّت نیک سیرت باحیا
جو اشاعت دین کی کرتا ہے ہمسم میں دائما
حاجی حرمین ہے امت کا جو ہے رہنما
ہم میں دنیا کی طوطی اس میں ہے نور و ضیاء
آجکل بیمار ہے وہ اس کو دے جلدی شفا
وہ دوا کرتا ہے لوگوں کی تو کر اس کی دوا
کیونکہ ہے تو سب سے بڑھ کر باحیا و باوفا
مستعد ہیں حملہ کرنے کے لئے جو بے حیا
اپنے نورالدین کو دیدے مرے مولیٰ شفا
دوستو! آمین کہو ناصر کی تم سُنکر دعا

زبان خاکسار محمد احسن عفی اللہ عنہ پر بعد سننے اس مناجات کے بے اختیار جاری ہوا کہ "لسان الناصر مفتاح خزائن الرحمٰن"

مشاہدات عرفانی

(سفرنامہ سیاحت یورپ و بلاد اسلامیہ)

احباب کو معلوم ہے۔ کہ میں نے گذشتہ دو سال یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت میں گذارے ہیں۔ اس سفر کے **مشاہدات** کا ایک دہندلا سا خاکہ اخبار الفضل قادیان اور پیسہ اخبار لاہور میں اور ایران کے بعض جرائد میں مختلف عنوانوں کے تحت چھپتا رہا۔ الفضل میں **مشاہدات عرفانی** ہی مستقل عنوان تہا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان مضامین کو ملک اور قوم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور ملک کے مختلف حصوں سے میرے پاس خطوط آئے۔ کہ میں مستقل کتاب کی صورت میں اپنے مشاہدات کو شائع کردوں۔ ایڈیٹر صاحب پیسہ اخبار کو بہی بعض لوگوں نے تحریک کی کہ **سیاحت عرفانی** کو مستقل کتاب کی صورت میں شائع کیا جاوے۔ یہ تمام امور میرے لئے محرک ہوئے کہ میں مشاہدات عرفانی کو جلد سے جلد شائع کرسکوں۔ مشاہدات عرفانی کیسی کتاب ہے۔ مجہے اس کے متعلق اسوقت کچھ بہی کہنے کی ضرورت نہیں۔ احباب الفضل میں اس کی ایک شان دیکھ چکے ہیں میں کوشش کرونگا۔ کہ یہ ایک جامع سفرنامہ ہو۔ یہ کتاب کم از کم تین جلدوں میں شائع ہوگی۔ اور کم و بیش ایک ہزار صفحوں کی کتاب ہوگی۔ (انشاء اللہ العزیز) جیسا کہ سیرۃ مسیح موعودؑ میں اعلان کیا گیا تہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ پہلی جلد مطبع میں اسی **حیات ناصر** کیساتھ طبع کیلئے جاچکی ہے۔ اور جلد شائع ہو رہی ہے۔

چونکہ کتاب بہت تہوڑی مقدار میں شائع ہوگی۔ اسلئے احباب سے درخواست ہے۔ کہ وہ فوراً درخواستیں بہیجدیں۔ پہلی جلد کی قیمت مع محصول ڈاک **۸ر** ہے۔ جس میں اخراجات وی پی وغیرہ بہی شامل ہیں۔ جو احباب تالیفات الحکم کے پہلے سے خریدار ہیں ان میں سے اگر کوئی نہ لینا چاہتا ہو تو اطلاع دے۔ ورنہ انکی خدمت میں حسب معمول سابق بذریعہ وی پی بہیجدی جاوے گی۔ احباب نوٹ کرلیں۔ اُمید ہے کہ **مشاہدات** کیلئے احباب دوسرے دوستوں کو بہی تحریک کرینگے۔ والسّلام۔

خاکسار:۔ **یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر الحکم** (سیاح یورپ و بلاد اسلامیہ)

تمام درخواستیں مینجر دفتر الحکم قادیان کے نام آنی چاہئیں!

انوار احمدیہ بک ڈپو قادیان

دفتر الحکم کیساتھ ایک بک ڈپو بھی عرصہ دراز سے قائم تھا۔ لیکن اب اس صیغہ کو کلیۃً دفتر الحکم و تادیب سے علیحدہ کر کے حضرت والد صاحب قبلہ نے میرے سپرد کر دیا ہے۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم پر بھروسہ کر کے الحکم کے سرپرستوں اور احباب قدیم کی توجہ اور سرپرستی کی توقع کے ساتھ اس صیغہ کو زیادہ مفید اور کارآمد بنانے کا تہیہ کیا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ میری محنت اور سعی کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اس لئے کہ توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے اور اسی کے باب العزت کو میں کھٹکھٹانا چاہتا ہوں۔

اس صیغہ میں کارخانہ الحکم کی تمام قدیم کتب کے علاوہ حضرت والد صاحب کی ناتمام اور جدید تالیفات شائع کی جائیں گی اور اس دائرہ تالیف کا مرکزی نقطہ حضرت مسیح موعودؑ کی اچھوتی اور غیر مطبوعہ تحریریں تقریریں آپ کے مکتوبات۔ سیرۃ تاریخ سلسلہ اور اصحاب مسیح موعودؑ کی سیرۃ ہوگا۔

سردست اس سلسلہ میں جانِ پدر کا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے۔ اور اب اصحاب مسیح موعودؑ کی پہلی جلد حیات ناصر کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ اگرچہ میرا ارادہ تھا کہ ہر جلد میں کم از کم ۱۰ اصحاب کے سوانح حیات آ جائیں۔ مگر اس پہلی جلد میں صرف حضرت میر ناصر نواب صاحب ہی کے حالات درج ہو سکے ہیں۔ اور اگر دس کے لکھے جاتے تو ضخامت بہت بڑھ جاتی۔ آئندہ جیسی صورت ہوگی۔ اس پر عمل کیا جائیگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ ہر جلد میں کم از کم ۱۰ اصحاب کے حالات ہونگے۔ اور جن کے فوٹو میسر آ سکیں گے۔ انکے فوٹو بھی دیئے جائیں گے۔

غرض یہ ایک مستقل صیغہ ہوگا۔ جو بزرگ پہلے سے دفتر الحکم کی کتابوں کے مستقل خریدار ہیں۔ انہیں یاد دہانی ہو کہ آئندہ ان کے نام ہر جدید کتاب بذریعہ وی پی دفتر انوار احمدیہ بک ڈپو سے ارسال ہوگی۔ اور ہر درخواست خریداری بھی خادم کے نام ہو۔ اس اعلان کے ساتھ اور جانِ پدر کی اشاعت کے ساتھ میں جدید انتظام کے ماتحت آغاز کار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق روزی کرے۔ آمین۔

خادم:۔ ابوالخیر محمود احمد (مجاہد مصری) ڈائرکٹر انوار احمدیہ بک ڈپو قادیان

:۔ محمود منزل الحکم سٹریٹ قادیان :۔